إِمَامٌ عَادِلٌ خَيْرٌ مِنْ مَطَرٍ وَابِلٍ.
عادل حاکم رحمت بھری بارش سے بہتر ہوتا ہے۔
(سیدنا علی رضی اللہ عنہ)

مسلم پھر فرعونی حربے؟

تالیف:
قاری ظہور احمد فیضی



مکتبۃ باب العلم لاہور (پاکستان)

بسم الله الرحمن الرحيم

إِمَامٌ عَادِلٌ خَيْرٌ مِنْ مَّطَرٍ وَّابِلٍ.

عادل حاکم رحمت بھری بارش سے بہتر ہوتا ہے۔

(سیدنا علی رضی اللہ عنہ)

مسلم پھر فرعونی حربے؟

تالیف:

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبۃ باب العلم لاہور (پاکستان)

نام رسالہ: مسلم، پھر فرعونی حربے؟

تالیف: ظہور احمد فیضی

پروف ریڈنگ : علامہ نصیر احمد نقشبندی، اوچ شریف

کمپوزنگ: حسنین ظہور فیضی

تعداد: 1000

ہدیہ :

بک ورک: عبدالسلام

الطبعۃ الأولیٰ: 2018ء بمطابق ۱۴۳۹ھ

طابع : مکتبۃ باب العلم لاہور (پاکستان)

maktbababulilm110lhr@gmail.com / Cell: 0300 41 500 21, 0321 17 8888 7

ڈسٹری بیوٹرز

ضیاء القرآن پبلی کیشنز: گنج بخش روڈ لاہور/ اردو بازار، کراچی

Ph: 042-37221953

احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

مکتبہ خورشیدِ ملت، نزد کینال ریسٹ ہاؤس، اوچ شریف (بہاول پور)

0300-2495037

نیو منہاج بک اینڈ سی ڈی شاپ، دربار مارکیٹ لاہور

عباسی کتب خانہ، جونا مارکیٹ کراچی

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ.

’’اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو،

اگرچہ ہو معاملہ رشتہ دار کا‘‘۔

(القرآن)

قُلِ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا.

حق بات کہو، اگرچہ کڑوی ہو۔

(حديث نبوي)

إِنَّ أَفْضَلَ عِبَادَ اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ،
وَإِنَّ شَرَّ عِبَادِ اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِمَامٌ جَائِرٌ.

''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن افضل شخص عادل بادشاہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن شریرترین شخص غیر عادل بادشاہ ہوگا''۔

(الحدیث)

فَإِنِّي قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ،
فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي، وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي.

مجھے تم پر حاکم مقرر کر دیا گیا ہے اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں، سو اگر میں اچھا چلوں تو میری اعانت کرنا اور اگر برا چلوں تو مجھے سیدھا کر دینا۔

[سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ]

أَيُّمَا عَامِلٍ ظَلَمَ أَحَدًا وَبَلَغَتْنِي فَلَمْ أُغَيِّرْهَا فَأَنَا ظَلَمْتُهُ.

میرے کسی کارکن نے کسی پر ظلم کیا اور مجھے اس کی اطلاع پہنچی پھر میں نے بدلہ نہ لیا تو میں نے ہی اُس پر ظلم کیا۔

(سیدنا عمر رضی اللہ عنہ)

إِمَامٌ عَادِلٌ خَيْرٌ مِنْ مَّطَرٍ وَّابِلٍ.

عادل حاکم رحمت بھری بارش سے بہتر ہوتا ہے۔

(سیدنا علی رضی اللہ عنہ)

انتساب

میرا یہ مسودہ تقریباً سال بھر پہلے سے لکھا ہوا ہے، اِس کے شائع کرنے میں تاخیر ہوتی رہی۔ آج 26 جولائی 2018ء کو جب جناب عمران خان کی تقریر سنی تو حیرت زدہ رہ گیا اور سوچ میں پڑ گیا کہ میں کس دَور میں بیٹھا ہوں، یہ باتیں تو قرونِ اُولیٰ کے عادل خلفاء کی طرح ہیں۔ جب خان صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے وزیر اعظم ہاؤس کے بارے میں یہ فرمایا:

> ''پرائم منسٹر ہاؤس، یہ شاہانہ محل۔ ایک وہ ملک جس کی آدھی آبادی غربت کی لکیر سے نیچے ہے، مجھے شرم آئے گی کہ میں جا کے پرائم منسٹر ہاؤس میں رہوں گا، اتنے بڑے محل کے اندر! ہماری گورنمنٹ فیصلہ کرے گی کہ پرائم منسٹر ہاؤس کا کیا کرنا ہے؟ اس کو ہم (Educational institution) کے لیے استعمال کریں گے، سادگی سے کوئی چھوٹی سی جگہ لیں گے (Minister Enclave) کے اندر جہاں پرائم منسٹر رہے گا''۔

(26 جولائی 2018ء کو بنی گالہ ھاؤس سے نشر شدہ تقریر سے ماخوذ)

اِس پر مجھے فوراً وہ سنہری دور یاد آیا جو خلافتِ راشدہ کے بعد پیدا شدہ بگاڑ کے بعد امت کو نصیب ہوا تھا۔ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی دست برداری کے بعد جو ظلم کا نظام شروع ہوا تھا وہ مسلسل چالیس برس تک جاری رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر کرم کرنا چاہا تو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی صورت میں ایک ایسا عادل خلیفہ نصیب ہوا جس کو خلیفہ راشد کے لقب سے نوازا گیا، جبکہ اُن سے قبل صحابی کہے جانے والے حکمران نہ ایسا عدل قائم

کر سکے اور نہ ہی وہ خلیفۂ راشد کہلا سکے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے تبدیلی کا آغاز کہاں سے کیا؟ اُنہوں نے پہلے دن سے ہی اپنے آپ سے تبدیلی شروع فرمائی تھی، اور سب سے پہلے سابقہ بادشاہوں کے ٹھاٹھ باٹھ کے سامان و رہائش کو خیر باد کہا تھا۔ چنانچہ سیرت نگار علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ وہ جب سابق خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو وہیں اُن کے لیے مختلف سواریاں لائی گئیں۔ چنانچہ مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

"تمام شاہی سواریاں جس میں خچر اور ترکی گھوڑے وغیرہ تھے حاضر کیے گئے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: "میرا خچر میرے لیے کافی ہے"۔ یہ کہہ کر ان کو واپس کر دیا، افسر پولیس نیزہ لے کر آگے آگے چلا تو اس کو ہٹا دیا اور کہا: "میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں"۔

سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۳۵ میں ہے: جب ان کے سامنے سواریاں پیش کی گئیں تو انہوں نے کہا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ان پر اب تک سواریاں نہیں کی گئیں جب کوئی شخص خلیفہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے وہی ان پر سوار ہوتا ہے لیکن انہوں نے اپنا خچر طلب کیا اور اپنے غلام مزاحم سے کہا: ان کو بیت المال میں داخل کر دو، اسی طرح ان کے لیے خیمے نصب کیے گئے، انہوں نے ان کے متعلق بھی یہ سوال کیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہ خیمے ہیں جن میں اب تک کسی نے قیام نہیں کیا، ان میں صرف وہ شخص قیام کرتا ہے جو خلیفہ ہوتا ہے، انہوں نے مزاحم کو ان کے متعلق یہی حکم دیا کہ بیت المال میں داخل کر دو، پھر خچر پر سوار ہو کر آئے تو اُنہیں ایسے فرش اور بچھونے نظر آئے جن پر صرف وہ شخص بیٹھتا تھا جو

خلیفہ ہوتا تھا، لیکن وہ ان کو مسلتے ہوئے چٹائی تک پہنچے، اور مزاحم سے کہا: ان کو بیت المال میں داخل کردو۔

خلفائے بنوامیہ کے یہاں دستور تھا کہ جب خلیفہ مرجاتا تو اس کے استعمالی کپڑے اور خوشبوئیں، اس کی اولاد کو ملتی تھیں اور غیر استعمال شدہ کپڑے اور خوشبوؤں کا مالک خلیفہ ہوتا تھا، اسی طریقہ کے مطابق سلیمان بن عبد الملک کے لڑکوں نے ان چیزوں کو تقسیم کرنا چاہا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا: یہ نہ میری ہیں نہ سلیمان کی اور نہ ہی تمہاری، یہ کہہ کر مزاحم کو حکم دیا کہ ان سب کو بیت المال میں داخل کردو۔

واپسی کے وقت لوگوں کو خیال ہوا کہ قصرِ خلافت میں نزول اجلال ہوگا، لیکن وہ اپنے ہی خیمے میں اترے اور کہا کہ ”میرے لیے میرا خیمہ ہی کافی ہے“ اندر داخل ہوئے تو لونڈی نے ان کے بشرے (تیور) کو دیکھ کر کہا کہ ”آپ شاید متردد ہیں“ بولے کہ ”یہ تشویشناک بات ہی ہے، مشرق ومغرب میں اُمت محمدیہ کا کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو، اور بغیر مطالبہ واطلاع اُس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو“۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۳۱،۳۳)

سو جس طرح ملوکیتِ بنوامیہ کے ابتدائی چالیس سال کے بعد سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ امت کو نصیب ہوئے، میں سمجھتا ہوں اسی طرح ستر سال بعد اہل پاکستان کو عمران خان جیسا عادل حاکم نصیب ہو رہا ہے۔ اِس لیے راقم الحروف فقط اُن کی اعلیٰ تقریر سے متأثر ہوکر اپنی اِس تحریر کا انتساب اُن کے نام کرنے پر فخر محسوس کر رہا ہے، اور یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے اِس بیان پر پورا اتریں گے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد اُن کے شامل حال ہوگی۔ وَمَا

ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ.

یہاں اِس اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں کہ ایک Clean Shave شخص کو اتنا چڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے اور اُس سے عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ استوار کرا دیتا ہے۔ جناب مہاتیر محمد اور جناب طیب اردگان کی کونسی ڈاڑھی ہے مگر وہ لاکھوں ڈاڑھی والوں سے بہتر ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سے لمبی ڈاڑھی والے جبہ دستار اور نیلے پیلے رومال میں پھرتے ہیں، جو اقتدار میں حصہ دار بھی ہوتے ہیں مگر کیا مجال کہ وہ کسی کرپٹ کو کرپٹ کہہ سکیں یا ذاتی مفاد سے بلند ہو کر قومی مفاد کی بات کر سکیں۔ عدل وانصاف ہی اصل چیز ہے، لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ اہلیان پاکستان کے لیے جناب عمران خان مہاتیر محمد اور طیب اردگان سے بھی بہتر ثابت ہوں۔

نوٹ:

کتابِ ھٰذا کے مطالعہ کے دوران یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ یہ تحریر سال بھر قبل لکھی گئی تھی، البتہ انتساب کے الفاظ آج 26 جولائی 2018ء کو قلم بند کیے ہیں، امید کرتا ہوں کہ میری یہ معمولی سی کاوش حکمرانوں کے لیے مفید ثابت ہوگی، اور میرے لیے اور اُن کے لیے سببِ فوز وفلاح ثابت ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ

وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سببِ تالیف

عجلت میں اِن سطور کو قلم بند کرنے کے دو سبب ہیں:

۱۔ اوّلاً تو یہ کہ حال ہی میں مجھے ایک دنیوی تنازعہ ختم کرانے کے لیے بلایا گیا۔ میں نے کہا: کتاب وسنت میں ہر طرح کے تنازعات کا حل موجود ہے، آؤ! کتاب وسنت کی روشنی میں معاملہ حل کر لیتے ہیں، مگر میں اُس وقت حیران رہ گیا جب اُن میں سے وہ فریق جو کتاب وسنت کا بڑا مدعی تھا پس وپیش کرنے لگا۔ وہ اِس معاملہ کو علاقہ کے رسہ گیر لوگوں سے حل کرانے کو ترجیح دے رہا تھا۔ اُس وقت میرے ذہن میں ایک مسلم اور یہودی کا وہ مشہور واقعہ گردش کرنے لگا جو تفاسیر میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۵ کے تحت مذکور ہے۔ یہودی شخص نبی کریم ﷺ کے پاس مقدمہ لے جانا چاہتا تھا مگر مسلم شخص کی دل چسپی یہودی کے پاس جانے میں تھی، اور بالآخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وہ نام نہاد مسلمان جہنم رسید ہوا تھا۔ چونکہ یہ واقعہ مشہور ہے اس لیے مکمل نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ثانیاً یہ کہ کسی دنیوی تنازعہ کے حل کے لیے فریقین کے درمیان آنا میرا پہلا تجربہ تھا، میں جب اپنی تمام تر مصروفیات ترک کر کے لاہور سے گاؤں پہنچا تو وہاں مجھے فریقین کی باتوں کے علاوہ کچھ غیر جانب دار لوگوں کے مافی الضمیر کو جاننے کا موقعہ بھی ملا۔ پوری تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ فریقین رشوت کے ہاتھوں تھک چکے ہیں، اور اب وہ باہم صلح چاہتے ہیں۔ صلح کے لیے ہم نے پر خلوص کوشش کی تو فریقین باہمی رضامندی پر تیار ہو گئے، دوسرے

دن دونوں کا معانقہ کرانا (گلے ملانا) تھا مگر معلوم ہوا کہ معاملہ پھر بگڑ چکا ہے۔ میں نے بعض لوگوں سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ ہم ایک دن فریقین کی ذہن سازی کر کے جاتے ہیں، لیکن دوسرے دن کوئی نہ کوئی فریق پیچھے ہٹ جاتا ہے؟ اُنہوں نے بتایا کہ بعض وڈیروں کو یہاں کے عوام کا باہم شیر وشکر ہو جانا گوارا نہیں، اسی لیے وہ اِس صلح میں رکاوٹ ہیں۔

تحقیق وجستجو کے بعد جب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی بعض وڈیرے منافقانہ طور پر اِس صلح کی راہ میں رکاوٹ ہیں تو میں اس کے اسباب میں غور وفکر کرنے لگا۔ بالآخر میں جس نتیجہ پر پہنچا وہی صلح میں رکاوٹ کی اصل وجہ تھی۔ وہ کیا وجہ تھی؟ اس کو سمجھنے کے لیے آپ کو یثرب کی بستی میں بسنے والی دو قوموں (اوس اور خزرج) کے درمیان صدیوں سے جاری جھگڑوں کو بھی جاننا ہوگا اور اُن جھگڑوں کے اختتام پذیر ہونے کے سبب کو بھی۔

دو کی لڑائی میں مفاد تیسرے کا ہوتا ہے

چونکہ ہمیں اختصار مطلوب ہے اس لیے ہم اُن کے جھگڑوں کے اسباب سے صرفِ نظر کرتے ہوئے فقط یہ پہلو بیان کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں کہ اُن کے مابین کسی بھی وجہ سے جب کوئی تنازعہ کھڑا ہو جاتا تھا تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرماتے ہی اوس وخزرج کے قدیم جھگڑے کو ختم کر دیا اُن کی دو شناختوں (اوس اور خزرج) کو ایک شناخت ''انصار'' میں بدل دیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اوس وخزرج کا جھگڑا اتنا طویل کیوں ہوتا تھا؟ جواباً عرض ہے کہ جھگڑوں کی ایسی طوالت وہاں کے پیداگیر لوگوں (زمین داروں اور سیٹھوں) کے لیے مفید تھی، کیونکہ متنازع فریقین میں سے ہر ایک فریق دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے زمین داروں اور سیٹھوں سے سود پر قرض اٹھاتا تھا اور پھر جب بروقت

قرض نہ اُتار سکتا تھا تو اُسے اپنی جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑتے تھے۔ان لڑائیوں کی وجہ سے فریقین قلاش اور کنگال ہوتے چلے جارہے تھے اور زمین داروں کی زمین اور سیٹھوں کا سرمایہ روز بروز بڑھتا چلا جارہا تھا۔سو چونکہ اوس وخزرج کی لڑائی وہاں کے زمین داروں اور سیٹھوں کے مفاد میں تھی اس لیے اُس کی طوالت کے پیچھے اُن ہی کا خفیہ ہاتھ تھا۔

جب کتاب وسنت کی بدولت اُن میں اتحاد پیدا ہو گیا تو وہاں کے سیٹھ اور زمین دار ہکے بکے رہ گئے۔وہ زمین دار اور سیٹھ کون تھے؟ یہ جاننے کے لیے آپ کو مشہور آیت ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اور اِس سے ماقبل کی آیات اور اُن کی شانِ نزول میں غور کرنا ہوگا۔مفسرین ومحدثین کرام لکھتے ہیں:

''ایک روز شاس بن قیس یہودی کا گزر ایک ایسی مجلس پر ہوا جس میں اوس وخزرج محبت وپیار سے سرشار ہو کر مصروفِ گفتگو تھے تو وہ جل بھن کر رہ گیا۔اس کی انگیخت پر ایک دوسرا یہودی اُس مجلس میں گیا اور ایسے اشعار پڑھنے شروع کر دیے جن میں اُن کی پرانی جنگوں کا ذکر تھا،اس کی یہ چال کامیاب ثابت ہوئی اور اوس وخزرج میں ترش کلامی شروع ہوگئی،جس نے بڑھتے بڑھتے جنگ کی شکل اختیار کر لی،تلواریں سونت لی گئیں،نیزے سنبھال لیے گئے اور صفیں درست کر لی گئیں۔اسی اثناء میں اس کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں اُس مقام پر پہنچے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے اوس وخزرج! تمہیں کیا ہو گیا؟ میری موجودگی میں تم عہد جاہلیت کی رسم کو تازہ کر رہے ہو، وہ عداوت اور دشمنی جس کے شعلوں کو اسلام کے ابرِ رحمت نے بجھا دیا، کیا تم پھر اُنہیں بھڑکانا چاہتے

ہو؟ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی اور تمہارے دشمن کی سازش ہے۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان سن کر اُن کی آنکھیں کھل گئیں، یکدم اُنہوں نے ہتھیار زمین پر پھینک دیے اور وہ آنکھیں جن سے ایک لمحہ قبل غیض وغضب کے انگارے برس رہے تھے اب اشکبار تھیں اور وہ دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے"۔

(العجاب في بيان الأسباب للعسقلاني، مُلَخّصًا ج١ ص ٧٢١،٧٢٥؛ لباب النقول، للسيوطي ص ٦٠)

اُس وقت اوس وخزرج کے جھگڑوں کی طوالت کے پیچھے یہودی زمین دار اور سیٹھ کا ہاتھ تھا، چونکہ اس طوالت میں اُن ہی کا مفاد وابستہ تھا اور اب پاکستانی عوام کے جھگڑوں کی طوالت کے پیچھے کرپٹ سیاستدانوں، وڈیروں، جاگیرداروں، تھانوں، کچہریوں اور علاقہ کے زمینداروں کا ہاتھ ہے، جبکہ یہود ونصاریٰ کا ہدف اب بہت بلند ہو چکا ہے۔ اب وہ اوس وخزرج کی مانند دو چھوٹے چھوٹے گروہوں کو لڑانے کی بجائے کسی مسلم ملک کے سیاستدانوں اور مذہبی طبقات کے مابین تنازعات کھڑے کرتے ہیں اور اس سے بھی ترقی کرتے ہیں تو دو مسلم ملکوں کے درمیان فساد کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر اُن میں سے کمزور ملک کو اُس کے مدمقابل ملک سے خوفزدہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی مدد کی آفر بھی کر دیتے ہیں، لامحالہ جب وہ مدد کے لیے آتے ہیں تو ڈانگ سوٹی (اسلحہ) بھی تو لاتے ہیں، اس لیے وہ اپنی ڈانگ سوٹی کا کرایہ یا پھر قیمت وصول کر لیتے ہیں، اور لازماً اپنے کن کٹوں، گلوبٹوں، لڑاکا جوانوں (یعنی فوج) کا خرچہ بھی وصول کرتے ہیں۔ خود سوچئے! کبھی کوئی گن کٹا بلا معاوضہ قدم اُٹھاتا ہے؟

لڑائی میں جیت کے لیے جائیداد کی فروخت

یقین فرمایئے کہ اُس گاؤں میں صلح کی اُس تگ ودو میں ایک مرحلہ پر جب محسوس ہوا کہ صلح مشکل ہے تو فریقین میں سے جو فریق غریب تھا اُس نے مجھ سے کہا: ٹھیک ہے، اگر وہ لوگ صلح نہیں کرتے تو ہم اپنی زمین کا کچھ اور حصہ فروخت کر دیتے ہیں اور اُن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ میں نے کہا: یہ مت کہو، کیونکہ یہود صفت زمین داروں اور سیٹھوں کی یہی تو خواہش ہوتی ہے کہ عوام آپس میں لڑ بھڑ کر پہلے اپنی جائیدادوں سے ہاتھ دھوئیں اور پھر اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اُن کے غلام بن کر اُن کا کام کاج کرتے رہیں۔

قارئین کرام! اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں للہ فی اللہ کیے جانے والے فیصلے کیونکر کرپٹ انتظامیہ، عدلیہ اور علاقائی مافیا کو گوارا ہو سکتے ہیں؟

اِس صلح کی کوششوں اور جھمیلوں میں کئی روز مشغول رہنے کی وجہ سے میرے ذہن میں ایک طرف قرآن وحدیث میں بیان شدہ ایسی نوعیت کے واقعات اور دوسری طرف علاقائی اور ملکی تنازعات کی تصویر گردش کرتی رہی، اور پھر میں ایسے تنازعات اور اُن کے طویل ہو جانے کے محرکات پر غور کرتا رہا۔ مکمل غور وخوض کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا وہ یہ تھا کرپٹ لوگوں کا مفاد ایسے جھگڑوں کے تسلسل میں ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ سطور میں قلم بند کر دی گئی ہے اور یہی ان سطور کو قلم بند کرنے کا سبب ہے۔ جو کچھ میرے قلم سے صادر ہوا اگر وہ حق ہے تو اُسے ضرور قبول فرمایئے، کیونکہ "اَلْحَقُّ أَحَقُّ أَنْ يُّتَّبَعَ" (حق زیادہ حق رکھتا ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے) اور اگر وہ باطل ہے تو دلائل کے ساتھ اُسے مسترد کر دینا ہر ذی علم وشعور کا حق ہے۔

ذات بول کر وصف مراد لینا

اِس تحریر میں ظالم اور کرپٹ حکمرانوں کو فرعون وقارون وغیرہ کہا گیا ہے، اس سے ہماری مراد کسی مسلم کو کافر سمجھنا نہیں بلکہ ایسے الفاظ سے ہمیشہ وصف اور صفت مراد ہوتی ہے، مثلاً جب کسی کے بارے میں کہا جائے کہ فلاں شیر ہے تو اس کا مطلب اُسے درندہ قرار دینا نہیں ہوتا بلکہ بہادر ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی کے بارے میں جب کہا جائے کہ وہ اپنے زمانے کا حاتم طائی ہے تو اس کا مطلب اُسے غیر مسلم قرار دینا نہیں ہوتا بلکہ اُس کی سخاوت کا بیان مقصود ہوتا ہے، بعینہ اسی طرح جب کسی کو فرعون کہا جائے تو اس کا مطلب اُسے کافر قرار دینا نہیں ہوتا بلکہ اُس کی مفاد پرستی، رعونت، ظلم اور بے انصافی کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ
وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ.

آخری کتاب میں اچھے اور برے واقعات کو بیان کرنے کا مقصد

قرآن مجید آسمانی کتابوں میں آخری کتاب، جس ہستی پر یہ کتاب نازل ہوئی وہ آخری نبی اور جس امت کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی وہ آخری امت ہے۔ اِس کتابِ مبین میں گزشتہ امتوں کے ہر طرح کے احوال وواقعات بیان کیے گئے ہیں، اچھے بھی اور برے بھی اور ایسے تمام واقعات بلا مقصد نہیں بلکہ مقصدیت پر مبنی ہیں۔ ہر اچھے اور برے واقعے کو بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ اُس واقعہ کو پڑھ کر اُس میں مذکور لوگوں پر رحمت یا لعنت کردی جائے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ اُس میں جو اچھائی مذکور ہو اُس کو اپنایا جائے اور جس برائی کا ذکر ہو اُس سے اجتناب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ نمرود کا، کلیم اللہ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کا اور شعیب علیہ السلام کے ساتھ کرپٹ تاجروں کا ذکر اسی مقصد کے تحت کیا ہے اور ہمیں تلقین کی ہے کہ خیر کو اپنائیں اور شر سے بچیں۔ ہر نماز میں بایں الفاظ: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ جو ہم دعا مانگا کرتے ہیں وہ اسی مقصد کے حصول کے لیے ہے۔

اِس وقت ہمارا موضوع ہے ''مسلم، پھر فرعونی حربے؟'' اس پر روشنی ڈال کر جو مقاصد ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

۱۔ فرعونی حربوں سے نفرت واجتناب کرنا

۲۔ معاشرہ سے فرعونی حربوں کی بیخ کنی کرنا

۳۔ سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کے اقدامات کو اپنانا

۴۔ اُن اقدامات کو عملی جامہ پہنانے کی کوششوں میں شریک ہونا

بڑا فرعونی حربہ، لوگوں کو منتشر رکھنا

یوں تو قرآن حکیم میں فرعون کا ذکر بکثرت مقامات پر آیا ہے لیکن اِن سطور میں ہم اپنے اِس موضوع کے لیے سورۃ القصص کی بعض آیات کو لے رہے ہیں۔

فرعون کا اپنی حکومت کو دوام دینے کے لیے پہلا حربہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو متحد و متفق نہیں ہونے دیتا تھا، اُس نے لوگوں کو مختلف تصورات، مذاہب اور طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ بعض لوگوں کو طبقاتی سربلندی کے گھمنڈ میں مبتلا کر رکھا تھا اور بعض کو محروم و نامراد بنا کر اُنہیں اعلیٰ طبقات کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا تھا۔ اُس کے نزدیک اُس کی حکومت کی کامیابی قومی انتشار میں مضمر تھی، جبکہ اُسے قومی وحدت میں اپنی حکومت کی بربادی نظر آتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کا پہلا حربہ یہی بیان فرمایا ہے:

طٰسٓمٓ. تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ. نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَإِ مُوسَى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ. إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا.

"طاسین میم۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی، ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک، اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ بیشک فرعون متکبر بن گیا زمین میں اور اُس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ"۔

(القصص: ۱،۴)

قرآن میں یوں نہیں فرمایا گیا کہ اُس کی قوم ازخود منتشر اور غیر متحد تھی، بلکہ اس انتشار وافتراق کو فرعونی حربہ کہا گیا ہے۔ ﴿وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا﴾ میں ''جَعَلَ'' کا فاعل فرعون ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ لوگ ازخود تقسیم نہیں ہوتے بلکہ غیر محسوس طریقوں سے اُنہیں فرعون صفت حکمران ہی گروہوں میں تقسیم رکھتے ہیں۔ اِن آیات کی تفسیر میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''یہاں فرعونی سیاست کے سارے خدوخال کو مختصر الفاظ میں جس عمدگی سے بیان کردیا گیا ہے، یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قرآن حکیم خداوند علیم وخبیر کا کلام ہے جس سے کسی جابر بادشاہ کے اسرارِ سربستہ بھی مخفی نہیں۔

پہلے یہ بتایا کہ فرعون مصر کا حکمران تھا لیکن اُس کے دل میں اپنی رعایا کے لیے ہمدردی، شفقت اور خیر وخواہی کا قطعاً کوئی جذبہ نہ تھا، وہ ایک مغرور ومتکبر بادشاہ تھا جس کے پیش نظر فقط اپنا ذاتی مفاد، اپنی حکومت کا استحکام اور اپنی شوکت وصولت کا بقا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ غیر قانونی بلکہ ہر غیر انسانی تجویز پر عمل کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔

خود سوچئے جس بادشاہ کی روش ایسی ظالمانہ اور سنگدلانہ ہو کیا اُس کی رعایا اُس سے محبت کرے گی؟ کیا اُس کے لیے کوئی خیر سگالی کا جذبہ قوم کے سینوں میں موجود ہوگا؟ اگر قوم میں فکر وعمل کی وحدت پیدا ہوجائے تو وہ ایسے بے رحم حاکم کی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں ذرا تأمل نہیں کرے گی۔ ایسے بادشاہوں کی کامیابی کا راز فقط اِسی میں مضمر ہوتا

ہے کہ اُن کی رعایا میں پھوٹ پڑی رہے، وہ ایک دوسرے سے دست وگریباں رہیں اور اُنہیں ایک لمحہ بھی ایسا میسر نہ ہو جس میں وہ ایسے بادشاہ سے رہائی حاصل کرنے کے متعلق غور و فکر کرسکیں۔ جس بادشاہ کی یہ سیاسی پالیسی کامیاب رہے گی وہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہے گا، چنانچہ فرعون نے یہی طریقہ اختیار کیا اور اپنی رعایا میں طرح طرح کے فتنے کھڑے کردیے، جس سے اُن کے اتفاق کا دامن تار تار کر کے رکھ دیا۔

ممکن ہے کہ فرعون ہی اس مؤثر طریقۂ کار کا موجد ہو، جس کو اُس کے پیروکار آج تک بڑی احتیاط سے اپنی سیاسی پٹاری میں رکھے ہوئے ہیں اور جب بھی ضرورت پڑتی ہے اسی تیر بہدف نسخہ کو استعمال کرتے ہیں۔ علامہ پانی پتی ﴿وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "أَوْ أَغْرٰى بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ كَيْلَا يَتَّفِقُوْا عَلَيْهِ" یعنی اُس نے اُن کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا اور اُن کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکا دی تھی تاکہ وہ متحد ہو کر اُس کے خلاف علمِ بغاوت نہ بلند کرسکیں"۔

(ضیاء القرآن ج۳ ص ۴۷۵، ۴۷۶)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی مختلف اقوال قلم بند کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
أَوْ فِرَقًا مُّخْتَلِفَةً قَدْ أَغْرٰى بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ لِئَلَّا تَتَّفِقَ كَلِمَتُهُمْ.
"یا اُس نے مختلف فرقے بنا کر اُن کے درمیان بغض وعداوت کا بیج بو

رکھا تا کہ اُن کا کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہو سکے"۔

(روح المعاني؛التفسير المنير ج ١٠ ص ٤١٤)

بڑے فرعونی حربہ پر مسلم کا عمل

ہمیشہ سے فرعونی پیروکاروں نے اہل اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہونے دیا، بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو ایسی ہی طاقتوں نے ممالکِ اسلامیہ کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے، اور اگر کسی واحد مسلم ملک کے انتشار کے سبب میں غور کیا جائے تو تب بھی یہی حقیقت سمجھ آتی ہے کہ اندرونی اور بیرونی فرعونی حربوں ہی نے لوگوں کو لسانی، مذہبی اور سیاسی طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ذرا غور تو فرمایئے کہ وقت کے فرعونوں نے مذہبی لوگوں کو کتنے گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے؟ پھر مزید چالاکی دیکھئے کہ جو لوگ کسی ایک ہی مکتبِ فکر کے ہوں اُنہیں بھی وحدت میں نہیں رہنے دیا جاتا، اُن میں سے بعض کو طرح طرح کی مراعات سے نواز کر فرعون صفت لوگ اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں اور دوسروں کو باہم دست و گریباں رکھتے ہیں اور بدقسمتی یہ ہے کہ مذہبی ،لسانی اور سیاسی لوگ ایسی فرعونی چالوں سے یکسر بے خبر رہتے ہیں۔

کس مکتبِ فکر کا اسلام نافذ کرو گے؟

اگر مذہبی لوگوں کے درمیان کبھی جزوقتی اتحاد ہو جائے اور وہ ملک میں نفاذِ اسلام کے لیے یک زباں ہو جائیں تو فرعونی پیروکار ایک ہی جملہ سے اُنہیں منتشر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہم بھی نفاذ اسلام کے خواہاں ہیں مگر تم یہ تو طے کر لو کہ کس مکتبِ فکر کا اسلام نافذ کرنا ہے؟ صرف اتنا کہہ کر وہ پھر سے مذہبی لوگوں کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور لوگ اُن کی چال میں آ کر پھر سے باہم دست و گریباں ہو جاتے ہیں۔

نفاذِ اسلام میں مذاہب و مکاتب رکاوٹ کیوں؟

ملّاں لوگ مذکورہ بالا جملہ کے سامنے ڈھیر ہو جاتے ہیں، حالانکہ اگر غور کیا جائے تو نفاذِ اسلام کا تعلق شعبۂ عبادات میں وحدت سے نہیں بلکہ شعبۂ معاملات میں وحدت سے ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام ؓ عبادات کے بجالانے میں مکمل طور متفق نہیں تھے مگر معاملات میں اُن کے مابین چنداں اختلاف نہیں تھا، مثلاً اموال اور قومی وسائل کی تقسیم، اشیاءِ روزمرہ کی قیمتوں کا تعین، جرائم پر جزاو سزا، ظالم و مظلوم کے مابین عدل و انصاف، الغرض انتظامی معاملات میں اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ اگر شاذ و نادر ایسے معاملات میں کبھی کوئی اختلاف ہو بھی جاتا تو وہ اُسے کتاب و سنت کی طرف لوٹا کر اُس کا حل تلاش کر لیتے تھے، اور یقین فرمائیے کہ اس قسم کے ہر اختلاف کا حل اُس دور کی بہ نسبت اب زیادہ آسان ہے، کیونکہ اب کتاب و سنت کا مکمل علمی ذخیرہ مع تفسیر و تشریح مدوّن ہو کر یکجا موجود ہے جبکہ اُس وقت صحابہ کرام ؓ کے سینوں میں موجود تھا اور وہ سب مدینہ منورہ میں نہیں بلکہ مختلف شہروں میں پھیل چکے تھے۔

اسی طرح ابتدائی صدیوں میں جب اسلام ایک قوتِ نافذہ تھا تو اُس دور میں امام جعفر صادق، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ؒ کے پیروکار عبادات کو بجالانے کے طریقوں میں تو متحد و متفق نہیں تھے لیکن معاملات کے شعبوں میں متفق تھے۔

اسلام کی قوتِ نافذہ کا تعلق مساجد کے اندرون سے زیادہ نہیں بلکہ مساجد سے باہر کے معاملات، تجارت، عدلیہ، مقنّنہ اور انتظامیہ وغیرہ امور سے زیادہ ہے۔

بعض ارکانِ اسلام کا تعلق عبادات و معاملات دونوں سے ہے، جیسا کہ حج و زکوۃ لیکن حیرت ہے کہ نماز و روزہ تو علماء کرام کے سپرد ہے جبکہ حج و زکوۃ پر اُن دنیا دار

حکمرانوں کا تسلط ہے جنہیں مسائلِ زکوٰۃ اور مناسکِ حج تو کیا سورۃ الاخلاص تک بھی نہیں آتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام اگر فرعونی حربوں سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں اسلام کو ایک قوتِ نافذہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اُنہیں چاہیئے کہ مختلف مکاتب فکر کے مذہبی، اعتقادی اور فقہی تفردات سے قطع نظر کرتے ہوئے آپس میں متحد ہو جائیں اور معاملاتی شعبوں میں اسلام کو قوتِ نافذہ بنا دیں۔

عبادات و معاملات میں اختلاف کے باوجود اتحاد

جس طرح حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، جعفری اور غیر مقلدین اپنی اپنی طرز پر عبادات ادا فرما رہے ہیں اسی طرح اگر وہ چاہیں تو معاملات میں اپنی اپنی طرز پر قائم رہتے ہوئے متحد بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک مجلس کی تین طلاقوں کو جو فریق تین کی بجائے ایک ہی مانتا ہے تو فقط اس قسم کی کسی بات کو بہانہ بنا کر متحد نہ ہونا جہاں اس کو فرعونی سازش قرار دیا جا سکتا ہے وہیں مذہبی ٹھیکیداروں کی حماقت بھی کہا جا سکتا ہے۔

انتہائی آسان سی بات ہے کہ جو شخص اس قسم کا مسئلہ لے کر عدالت پہنچے تو اُس کا فیصلہ اُسی کے فقہی مذہب کے مطابق کر دیا جائے۔ اس سے کم از کم طویل عدالتی چکروں اور ظلم و بے انصافی سے تو جان چھوٹ جائے گی۔ مختلف مکاتبِ فکر اور فقہی مذاہب کے علماء کرام کو چاہیئے کہ وہ باہم متحد ہو کر عوام کو فرعون صفت حکمرانوں سے نجات دلائیں اور بھوک و پیاس اور ظلم و بے انصافی سے زبوں حال عوام کو سکھ و سکون پہنچائیں۔

کبھی آپ نے غور فرمایا کہ ملک کے گوداموں میں پچھلے سال کی گندم سڑ رہی ہوتی ہے اور نئے سال کی گندم آ جاتی ہے، لیکن اِس کے باوجود فاقہ کشی اور خودکشی ہے کہ رکنے

کا نام ہی نہیں لے رہی، آخر کیوں؟ یقین فرمائیے! اگر کتاب وسنت کے علمبردار ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ پر توجہ کریں اور باہم اتحاد کر کے مساجد میں نہیں بلکہ مقنّنہ، عدلیہ، منتظمہ اور تمام قومی اداروں میں اسلام کو قوتِ نافذہ بنا دیں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ عدم مساوات اور غربت کی یہ حالت قائم رہ سکے۔

نزولِ کتاب سے قبل انبیاء کے کارنامے

خیال رہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی جو تگ ودو فرعون کے خلاف تھی، اُس کا تعلق عباداتی شعبہ سے نہیں تھا بلکہ فقط بنی اسرائیل کو فرعونی ظلم وجبر سے آزادی دلانے سے تھا، کیونکہ اُس وقت تک سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر کتابِ الٰہی نازل ہوئی تھی اور نہ ہی اُن کی قوم کے لوگ مسلمان اور خدا پرست تھے۔ وہ لوگ فرعونی مذہب کے مخالف نہیں بلکہ اُن کے ہم نوا تھے مگر دنیوی فوائد اور عدل وانصاف کے حصول کے لحاظ سے اُن کا تعلق ایسے پسماندہ طبقے سے تھا جس کا استحصال کیا جاتا تھا۔

خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل از اعلانِ نبوت چند نوجوانوں کو اپنے ساتھ ملا کر ظالموں کے خلاف اتحاد بنایا تھا اور اس اتحاد کے سامنے کوئی ظالم کھڑا نہیں ہو سکا تھا، حتیٰ کہ ابوجہل ایسا شریف بدمعاش آدمی بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کسی مسافر تاجر سے سامان خرید کر اُس کی قیمت ادا نہ کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر ابوجہل کے دروازے پر پہنچے اور وہیں کھڑے کھڑے تاجر کو قیمت دلائی۔

اسی طرح ایک قریشی نے کسی تاجر کی خوبرو لڑکی کو اغوا کر لیا، اُس تاجر کا قبیلہ قریش سے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، وہ تاجر بہت مایوس ہوا، حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے اپنے نوجوان دستے کو لے کر اُس قریشی کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ کہنے

لگا: آپ لوگ ابھی چلے جاؤ، میں اس لڑکی کو کل اُس کے باپ کے سپرد کردوں گا، لیکن حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا، اور اُسی وقت لڑکی کو برآمد کرکے اُس کے والد کے سپرد کردیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(نظرة جديدة في سيرة الرسول ﷺ ص٤١)

فراہمیِ عدل کے لیے مسلم وغیر مسلم کا اتحاد

خود غور فرمایئے! کلیم اللہ علیہ السلام نے فرعونی مظالم سے جب قوم کو نجات دلائی تو کیا اُس وقت قوم پر کوئی مذہبی قدغن تھی؟ اسی طرح حبیب اللہ ﷺ نے جس تاجر کو اُس کی اشیاء کی قیمت اور جس دوسرے کو اُس کی بچی واپس دلائی کیا وہ دونوں مظلوم اور ظالم مسلمان تھے؟ پھر اعلانِ نبوت سے قبل نوجوانوں کے جس جتھے کی مدد سے حضور ﷺ ایسے اہم کارنامے انجام دیتے تھے، کیا وہ جتھہ مسلمان تھا؟ اگر نہیں تو پھر بتلایئے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام ایسے امور کے لیے کیوں نہیں متحد ہوتے؟

ہمارے نبی فقط ایک تاجر کی قیمت دلانے کے لیے اِس امت کے فرعون کے دروازے پر پہنچ گئے، اور اِدھر پورے ملک کا سرمایہ لٹ کر باہر جاچکا ہے اور اُمتی بالخصوص عالم دین ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ اگر قرآن وسنت کو سمجھنے والے علماء دین ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ پر عمل نہیں کرائیں گے تو کیا وہ لوگ کرائیں گے جنہیں سورۃ الاخلاص بھی نہیں آتی؟

آقا ﷺ نے فقط ایک لڑکی کی بازیابی کے لیے وڈیرے کے محل کا گھیراؤ کرلیا اور اِدھر پورے ملک کی عزت پامال ہو رہی ہے اور اُمتی خصوصاً مذہبی لیڈر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوا ہے۔ کیا علماء کرام بتلانا پسند فرمائیں گے کہ قبل از اعلانِ نبوت حلف

الفضول کے نام سے جو معاہدہ ہوا تھا، جس میں ہمارے آقا ﷺ بھی شریک تھے، کیا اُس کے ارکان ایک ہی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے؟ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ!

سیاسی اور مذہبی اختلاف میں فرعون کا مفاد

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین وقانون اسلام ہے، لیکن مذہبی اور سیاسی بے اتفاقی کی نحوست کا حال یہ ہے کہ جن معاملات پر تمام اہل اسلام متفق ہیں، حکمرانِ وقت اُن کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالنے میں بھی محض مذہبی اور سیاسی بے اتفاقی کی وجہ سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سود کے حرام ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے، لیکن بلاسود بنکاری عمل میں نہیں لائی جاسکی، حتیٰ کہ ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء میں ہمارے ملک کی وفاقی شرعی عدالت نے سود کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا تھا لیکن اُس وقت کی حکومت نے اُس شرعی فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رِٹ دائر کر دی تھی اور اس پر عمل درآمد سے روک دیا تھا، خَذَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ سچ سچ بتایئے! سیاسی اور مذہبی بے اتفاقی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی نحوست اور مصیبت ہو سکتی ہے؟ میں پوچھتا ہوں: اگر محض دنیوی سیاست دان ایسے امور پر متفق نہیں ہوتے اور نہ ہی ہونا چاہتے ہیں تو کیا مذہبی سیاستدان بھی متحد نہیں ہو سکتے؟

سوال

وہ مذہبی لوگ جو ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کی حکومت کی سیاسی پارٹی میں تھے یا حکومت کی تشکیل میں اُن کے اتحادی تھے، نیز وہ جو اَب تک سودی نظام کے رائج ہونے کے باوجود حکومتی پارٹی میں شامل یا اُس کے اتحادی ہیں، وہ بتلائیں کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ کھڑے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ کرنے والی حکومت کے ساتھ؟

جبوں قبوں میں ملبوس خطباء، مدارسِ دینیہ کے سربراہان اور اسمبلی میں براجمان مذہبی

زعماء نے کبھی سوچا ہے کہ حکمران بلاسود بنکاری کی راہ میں کیوں رکاوٹ ہیں؟ فقط اس لیے کہ جب بلاسود بنکاری ہوگی تو پھر کروڑوں اور اربوں کی صورت میں قرضہ مل سکے گا اور نہ ہی معاف کرایا جا سکے گا۔ اس کے باوجود جو علماء سودی نظام کی حامی حکومت کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں، کیا وہ قیامت کے دن جوابدہی سے خود کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں؟

مفادِ عامہ پر بھی اتحاد ناممکن؟

اگر مذہبی لوگ عبادات کے طریقوں (مثلاً رفع یدین، فاتحہ خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ) میں متحد نہیں ہو سکتے تو کیا وہ مفادِ عامہ کے معاملات میں بھی متحد نہیں ہو سکتے؟ مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے:

كَيْ لَايَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ.

''یعنی مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان''۔

(الحشر: ۷)

کیونکہ مال و دولت کے معاملات میں انسانوں سے بے اعتدالی اور بے راہ روی کا قوی امکان ہوتا ہے اس لیے یہ حکم صادر کیا گیا۔ بدقسمتی سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دولت کی تقسیم کا معاملہ اِس حکم الٰہی کے بالکل برعکس ہے۔ چنانچہ آج سے تقریباً چالیس سال سے بھی زائد عرصہ قبل اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا تھا:

''اسلام سے پہلے اس قسم کے اموال کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قبیلہ کا سردار یا لشکر کا سپہ سالار ۱/۴ حصہ لے لیتا جسے مرباع کہا جاتا۔ اگر بقیہ مال سے اسے کوئی چیز پسند آتی وہ بھی چن لیتا۔ باقی مال دولت منداور بااثر لوگ آپس میں بانٹ لیتے اور غریبوں کو برائے نام چیز

دی جاتی۔ ابتداء میں مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اس مال سے چہارم لے لیں، باقی مال ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس بے انصافی کو کیسے گوارا فرماتے، چنانچہ مال غنیمت کی تقسیم کا الگ طریقہ مقرر فرمایا اور اموال فئی کی تقسیم کے لیے الگ طریقہ مقرر کیا گیا اور اس تقسیم کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ ان اموال کو اس طرح تقسیم نہ کرو کہ صرف امراء اور مراعات یافتہ طبقہ میں ہی یہ مال گردش کرتا رہے اور غریب بیچارے حسرت سے ان کا منہ دیکھتے رہیں۔ صاف طور پر حکم دیا کہ اللہ کے نزدیک یہی چیز پسندیدہ ہے کہ وسائلِ معیشت کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ غریب، امیر یکساں فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ اصول صرف اموالِ غنیمت وفئی کی تقسیم میں ہی اسلام نے ملحوظِ خاطر نہیں رکھا بلکہ اسلامی نظام حیات کی یہ روحِ رواں ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ملکی وسائل سکڑ کر ایک مخصوص طبقے میں مرتکز نہ ہو جائیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ان کا پھیلاؤ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ اس نے تمام ایسی پیش بندیاں کر دی ہیں جن سے سرمایہ سکڑنے کے عمل کو روکا جا سکتا ہے اور اس دائرہ اثر کو وسیع سے وسیع تر کیا جا سکتا ہے۔

وہ پیش بندیاں جو سرمایہ کو سکڑنے سے روکتی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالتے جائیے:

کسب معاش کے وسائل کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے: حلال اور حرام۔ حرام میں تمام ایسے وسائل ذکر کر دیے جن کے ذریعہ

محنت کے بغیر، خطرات کا مقابلہ کیے بغیر بڑی آسانی سے دولت اُڈتی چلی آتی ہے۔ سُود، جُوا، سٹّہ، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، چور بازاری، رشوت کا شمار انہی حرام وسائل میں سے ہوتا ہے۔ بلا خوفِ تردید پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ آج جس جس جگہ آپ کو دولت کی بے پناہ ریل پیل نظر آتی ہے وہاں ان ممنوع وسائلِ معاش میں سے ایک آدھ کی کارفرمائی ضرور ہے۔ آج پاکستان میں بائیس خاندانوں کا رونا رویا جاتا ہے۔ ماہرینِ اقتصادیات خود ہی بتائیں! اگر یہاں سود ممنوع ہوتا اور بڑے بڑے بینک آسان شرحِ سود پر اُنہیں قرض نہیں دیتے تو کیا یہ بائیس خاندان سارے ملک کا سرمایہ لوٹ سکتے تھے؟ سب کچھ لٹا کر راہزن کو کوسنے کی رسم اسلام کو پسند نہیں، وہ پہلے سے وہ راہ بند کر دیتا ہے جہاں سے راہزن کے داخلے کا امکان ہو۔

اگر پاکستان میں معاشی لُوٹ مار کے ذرائع کو ختم کر دیا جائے تو چند ماہ میں آپ کو ﴿ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ﴾ کی برکتوں کا احساس ہونے لگے۔ حلال وسائل سے جو دولت کمائی جاتی ہے وہ ضخامت میں اس قدر تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس کا بہاؤ فقراء اور عوام کی طرف کرنے کے لیے اسلام نے مؤثر تدابیر اختیار کی ہیں۔ زکوٰۃ، عشر، صدقات اور ان کے علاوہ نظامِ وراثت، زندگی بھر کے اندوختہ کو اس طرح بانٹ دیتا ہے کہ مقصد پورا ہو جاتا ہے اور کسی پر گراں بھی نہیں گزرتا۔

الغرض یہ جملہ اسلامی نظامِ معاشیات کا ستون ہے۔ ہمارے ماہرین دیگر فرسودہ اور ناکارہ نظریات اپنانے کے بجائے اگر نیک نیتی

سے اسلام کے نظام مالیات کو سمجھیں، پوری دیانت داری اور اخلاص سے اس کو عملی جامہ پہنائیں تو کمیونزم [Communism] اور کیپٹلزم (Capitalism) کے دو پاٹوں میں پسی ہوئی دنیا ان کی ممنون ہوگی۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں زمامِ اقتدار ہے اُن کے دل نورِایمان سے خالی ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے جس ذوق اور یقین کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے۔ ضرورت صرف ایسے یقین کی ہے جو تمام مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہونے کی ہمت رکھتا ہو۔ ضرورت اُس ایمان کی ہے جس کے چراغ کو کوئی آندھی نہ بجھا سکے۔ جو گھپ اندھیروں کو بقعہ نور اور رشکِ صد طور بنانے کی اہلیت رکھتا ہو"۔

(ضیاء القرآن ج ٥ ص ۱۷۱، ۱۷۲)

کاش! مذہبی سیاستدان ارتکازِ دولت کے خلاف متحد ہو جاتے، لیکن ہماری یہ امید بھی عبث ہے، کیونکہ یہاں بھی فرعونی حربہ کارگر ہے۔ فرعونی حکومت کسی کو نوکری کی ہڈی ڈال دیتی ہے اور کسی کے سامنے اُسی کرپشن سے جمع شدہ رقم کی تجوریاں کھول کر رکھ دیتی ہے تو بڑے بڑے مذہبی لوگ بھی جبہ و دستار سمیت سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ **إلا ما شاء الله.**

محض بغاوت کے خدشہ پر فرعونی حملہ

بنی اسرائیل ایک استیصال زدہ طبقہ تھا اور ایسے طبقات میں سے کبھی بھی بغاوت سر اُٹھا سکتی تھی، اس لیے فرعون اپنے ساتھ اشرافیہ کو ملا کر اُن کو دبائے رکھتا تھا۔ چنانچہ ارشادِ

باری تعالیٰ ہے:

يَّسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَآءَ هُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ.

''وہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو اُن میں سے، ذبح کیا کرتا اُن کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا تھا اُن کی عورتوں کو، بیشک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا''۔

(القصص:٤)

''يُذَبِّحُ أَبْنَاءَ هُمْ'' فرمانے میں حکمت

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ﴿يُذَبِّحُوْنَ أَبْنَاءَ هُمْ﴾ یعنی فرعونی لوگ بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتے تھے، لیکن یہاں ﴿يُذَبِّحُ أَبْنَاءَ هُمْ﴾ میں ذبح کا فاعل فرعون کو کہا گیا ہے، حالانکہ اُس ظالم نے اپنے ہاتھوں سے کسی بچے کو ذبح نہیں کیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اُن تمام بچوں کو ذبح کرنے کی نسبت اُس کی طرف کیوں کی گئی؟ اس لیے کہ حکومتی عہدے پر فائز کسی بھی شخص کے ظلم کا ذمہ دار سربراہِ مملکت ہوتا ہے، اور ریاستی قتل ایسے ظالمانہ اقدامات تو کبھی بھی سربراہِ مملکت کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتے۔

نیز یہاں یہ پہلو بھی مدنظر رہے کہ اراکینِ حکومت کے اچھے کارناموں کا ثواب بھی سربراہ مملکت کے اعمال نامہ شامل ہوتا ہے۔

فی الجملہ یہ کہ فرعون کا عمومی حربہ تو یہی تھا کہ وہ پبلک کو گروہوں میں تقسیم رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود اگر اُسے کہیں سے زیادہ خطرہ محسوس ہوتا تو وہ ریاستی جبر و قتل سے بھی

بازنہیں آتا تھا۔ چنانچہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''اپنی قوم کے ساتھ تو اُس کا یہ رویہ تھا لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اُس کی زیادتیاں ناقابل بیان ہیں، کیونکہ بنی اسرائیل سے اُسے بغاوت کا خطرہ کہیں زیادہ تھا۔ یہ خاندان یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آبائی وطن سے ہجرت کر کے مصر میں اقامت پذیر ہوا تھا، تھوڑے عرصہ میں اُن کی تعداد میں ہوشربا اضافہ ہوا تھا، وہ اپنی ذہنی تربیت اور عددی کثرت کے باعث فرعون کے لیے ہر وقت پریشانی کا باعث بنے رہتے تھے۔ اُس نے اُن کی طاقت کو توڑنے کے لیے متعدد منصوبے بنائے تھے، سب سے پہلے اُس نے اپنی قوم کے دلوں میں قوم پرستی کا تعصب پیدا کیا، اُس نے اُن کو بھڑکایا کہ یہ اجنبی ہماری زمینوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، تجارت میں یہ دخیل ہیں، سیاست کے پھٹے میں ٹانگ اڑانے سے یہ باز نہیں آتے۔ اگر تم نے ان کو یونہی بے لگام چھوڑے رکھا اور ان کے خلاف اپنا قومی محاذ استوار نہ کیا تو یہ کسی وقت بھی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

صدیوں سے پہلو بہ پہلو شیر و شکر ہو کر بسنے والی دو قوموں (قبطی اور اسرائیلی) میں نفرت و حقارت کی خلیج وسیع کر دی اور قبطیوں کے دل میں اپنے ہمسایہ اسرائیلیوں کے لیے ہمدردی کے جتنے جذبات تھے اُن کا قلع قمع کر دیا۔ اُن کی بڑھتی ہوئی تعداد کو ختم کرنے کے لیے اس نے یہ سنگدلانہ تجویز سوچی کہ اسرائیل کے ہاں اگر کوئی لڑکا پیدا ہو تو گلا گھونٹ کر اُسی وقت اُس کو مار ڈالا جائے''۔

(ضیاء القرآن ج۳ ص۴۷۶، ۴۷۷)

سوچئے! ماضی قریب میں ہمارے ملک کے شہروں میں مذہبی، غیر مذہبی، لسانی اور غیر لسانی جو کشت و خون جاری رہا کیا وہ از خود ہوتا رہا؟ لاہور میں جو سانحہ ماڈل ٹاؤن برپا ہوا، جس میں آج کی اشرافیہ فرعون سے بھی آگے نکل گئی کہ فرعون تو فقط بچوں کو مرواتا تھا اور یہ بچیوں کو قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ کیا یہ سب کچھ از خود رونما ہو گیا یا اُس کے پیچھے کسی فرعون یا اُس کی اشرافیہ کا ہاتھ تھا؟ اس سانحہ میں جن لوگوں کو بھون دیا گیا، کیا وہ ملک کے غدار، قانون شکن اور کسی انسان کے قاتل یا دہشت گرد تھے؟ اگر اِن میں سے کوئی بھی وجہ نہیں تھی تو پھر ایسا کیوں ہوا اور کس کی سنت پر عمل ہوا، موسیٰ علیہ السلام کی سنت پر یا فرعون لعنۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر؟

کیا گناہ پر رضامندی گناہ نہیں؟

افسوس کہ اِس ظلم و بربریت پر اور تو اور کتاب و سنت کے علمبردار لوگ بھی خاموش رہے، نہ صرف خاموش رہے بلکہ عملاً ظالم اشرافیہ کے ساتھ کھڑے رہے۔ اُنہوں نے مظلومین کے حق میں ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ بے گناہ لوگوں کے ناحق قتل پر ایسا سکوت ظالم کے حق میں رضامندی نہیں تو اور کیا ہے؟ یاد رکھئے! کسی گناہ پر رضامند ہونا عنداللہ اُس گناہ میں شریک ہونے کے برابر ہے۔ چنانچہ حضرت عرس بن عمیرہ الکندی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيئَةُ فِي الْأَرْضِ كَانَ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا، كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا، وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا.

''جب روئے زمین پر کوئی گناہ کیا جائے، جو شخص وہاں موجود ہونے کے

باوجود اُس گناہ سے نفرت کرے تو وہ اُس کی مانند ہے جو وہاں نہیں تھا، اور جو وہاں سے غائب ہونے کے باوجود اُس گناہ پر راضی ہو تو وہ اُس گناہ میں شریک ہونے والے شخص کی مانند ہے"۔

(سنن أبي داود ج ٤ ص ٣٣٣، حديث ٤٣٤٥؛ بذل المجهود ج ١٧ ص ٢٧٧)

وہ مذہبی لوگ جو لمبے جبے اور رنگ برنگ دستار و رومال وغیرہ کے ساتھ کتاب وسنت کی بات کرتے ہیں اور ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کا درس دیتے ہیں، اس ریاستی ظلم وبربریت پر اُن کی خاموشی کو کیا کہا اور سمجھا جائے؟ وہ جب چاہیں میڈیا اُن کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے، وہ اُس وقت خاموش کیوں رہے؟ کیا اُن کے نزدیک بلا جرم کسی انسان (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) کا ریاستی قتل جائز ہے؟ اور کیا ایسے قتل پر خاموشی جائز ہے؟ اگر نہیں تو پھر اُس موقعہ پر مذہبی لوگ کیوں خاموش رہے؟ اُنہیں وہ مشہور حدیث کیوں نہ یاد رہی جس میں ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو اُسے طاقت اور زبان سے بدل دے؟

جب سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہداء کا تعلق کسی کالعدم تنظیم، علیحدگی پسند طبقے، را کے ایجنٹ اور کسی بھی دہشت گرد تنظیم سے نہیں تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ اُن ایام میں بعض مذہبی لوگ خصوصاً اور سیاستدان عموماً مظلوم کی بجائے ظالم کے ساتھ کھڑے نظر آئے؟ حتیٰ کہ پارلیمان کی اکثریت دوسری باتوں میں تو مشغول رہی مگر مقتولین کے حق میں ایک جملہ بھی نہ بول سکی۔

ہائے افسوس! مسلمان اِس حد تک ایمان سے عاری ہو گئے، اور فرعون صفت لوگ مذہبی اور سیاسی منافرت وتعصّب کو ہوا دینے میں اتنے کامیاب ہو گئے! اُس طبقہ کی خاموشی تو انتہائی حیران کن ہے جو خود کو وارثانِ انبیاء علیہم السلام گردانتا ہے۔ یاد رکھئے! ظلم پر ایسی

خاموشی انبیاء کی میراث نہیں بلکہ فرعون کی میراث ہے۔ مالی منفعت کی خاطر ظلم پر خاموش رہنے والوں کو خیر خواہانِ امت نے کلیم وحبیب علیہما السلام کا نہیں بلکہ اقتدارِ فرعون کا غلام کہا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی مفاد پرستوں کے بارے میں مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ایک صدی قبل فرمایا تھا۔

ہو اگر قوتِ فرعون کی درپردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللّٰہی!
سخت باریک ہیں امراضِ اُمم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیاں کوتاہی

(ضرب کلیم ص۱۵۸)

اقتدار ڈگمگانے لگے تو فرعونی حربہ

فرعون کا دوسرا حربہ یہ تھا کہ جب اُس کی حکومت میں کوئی بحران پیدا ہوتا اور خدشہ پیدا ہوتا کہ لوگ حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے تو وہ بڑی مکاری سے اُن کی توجہ کسی اور جانب مبذول کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ چنانچہ جب کلیم اللہ علیہ السلام نے اُس کے دربار میں اللہ جل جلالہ کی حقانیت کی بات کی اور پوری قوم موسیٰ علیہ السلام سے متاثر ہونے لگی تو فرعون نے کہا:

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحاً لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلٰهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ.

"اے اہل دربار! میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور

خدا ہے۔ پس آگ جلا میرے لیے اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا، میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کر، شاید (اس پر چڑھ کر) میں سراغ لگا سکوں موسیٰ کے خدا کا، اور میں تو اس کے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے"۔

(القصص: ۳۸)

غور کیجئے فرعون نے کیسا تاخیری حربہ اپنایا؟ پہلے کچی اینٹیں تھاپنا، پھر اُنہیں بھٹہ میں پکایا جانا اور پھر مینار تعمیر کیا جانا۔ یہ بہانے بازی محض لوگوں کو دھوکہ میں رکھنے اور اُن کی توجہ دوسری طرف مبذول کرنے کے لیے تھی۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مفسرین کرام لکھتے ہیں:

"رہی دوسری بات کہ اُس نے ہامان کو یہ حکم کیوں دیا تھا اور کیا یہ مینار تعمیر ہوا بھی تھا یا نہیں؟ اس کے بارے میں امام رازی لکھتے ہیں کہ اس کا مقصد قطعاً یہ نہ تھا اور نہ اس کا یہ خیال تھا کہ ایک ایسا اونچا مینار بنایا جا سکتا ہے جس پر چڑھ کر انسان آسمان میں جھانک سکے۔ اُس نے یا تو یہ بات ازراہ مذاق کہی تھی یا اپنی رعایا کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کہا تھا تاکہ لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی جائے کہ بادشاہ سلامت موسیٰ کے دعویٰ کی تحقیق کر رہے ہیں، جب تک اس تحقیق کے نتائج سامنے نہ آجائیں ایک نووارد کی بات سن کر اپنے قدیم عقائد کو ترک کر دینا بڑی جلد بازی ہے، اور پھر فرعون جیسے جابر بادشاہ کی دشمنی مول لینا بھی کوئی عقل مندی نہیں، ابھی کچھ دیر صبر کرو اور دیکھو اس تحقیق کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

فرعون اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جب ایک مرتبہ موسیٰ کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی تو پھر کون اتنی زحمت اٹھا کر یہ پوچھنے آئے گا کہ جہاں پناہ! آپ نے جس تحقیق کا وعدہ کیا تھا اس کا کیا نتیجہ نکلا، جس مینار کو تعمیر کرنے کا حکم آپ نے ہامان کو دیا تھا وہ کہاں بنایا گیا؟" وَاِنَّمَا قَالَ ذٰلِکَ عَلٰی سَبِیْلِ التَّھَکُّمِ، فَالْاَقْرَبُ اَنَّہٗ کَانَ اَوْھَمَ الْبِنَاءَ وَلَمْ یُبْنَ"، یعنی اُس نے لوگوں کو اس وہم میں ڈالا تھا کہ وہ ایسا مینار بنائے گا، اس کے لیے تیاریاں کی جارہی ہیں، ماہر کاریگر اور مسالہ فراہم ہو رہا ہے، فکر نہ کرو جلدی کام شروع ہو جائے گا۔ ایسی باتیں کر کے اُس نے حضرت موسیٰ کی دعوت سے لوگوں کی توجہ ہٹا دی اور یہی اس کا مقصد تھا"۔

(ضیاء القرآن ج۳ ص۴۹۲)

دوسرے فرعونی حربے پر مسلمانوں کا عمل

دفع وقتی کے ایسے فرعونی حربے پاکستان کے حکمرانوں میں کتنے مقبول ہیں، یہ کسی باشعور اور باخبر انسان پر مخفی نہیں۔ ذرا اپنی یادداشتی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بتلایئے کہ گزشتہ سرسٹھ [67] برس میں اہم امور و معاملات پر کتنے کمیشن بنائے گئے جو فرعونی طرزِ عمل سے پاک رہے ہوں اور جن کا نتیجہ برآمد ہوا ہو؟

اور تو اور یہاں پر زلزلے اور سیلاب زدگان کی مدد کے لیے اندرون اور بیرون ملک سے جو فنڈز مختص ہوتے ہیں اور اُس میں کیے گئے گھپلوں کو کوئی نجی چینل منظر عام پر لے آتا ہے تو اُس پر بھی کمیشن بنا لیا جاتا ہے، لیکن نتیجہ؟...

فقط ایک کمیشن یا جے آئی ٹی کا نتیجہ نجی چینلز پر مثبت بتایا تو گیا لیکن چونکہ وہ حکومتِ وقت کے خلاف تھا اس لیے اُسے منظرِ عام پر نہیں آنے دیا گیا۔

ہامان کی صفت پر کون؟

پاکستان میں اب تک جتنی کمیٹیاں، کمیشن اور جے آئی ٹی وغیرہ بنائی گئیں اُن کا احاطہ کرنا ہمارا موضوع نہیں، البتہ یہاں ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ جو لوگ بھی کسی کمیٹی اور کمیشن وغیرہ میں شامل ہوتے ہیں اور پھر جان بوجھ کر معاملہ کو لٹکا کر اُسے بے نتیجہ بنا دیتے ہیں، وہ کس کی سنت پر عمل کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ وقت کے فرعون کے حکم پر ہامان بدبخت کی سنت پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا اُنہیں یقین کر لینا چاہیئے کہ قیامت کے دن اُن کا حشر فرعون وہامان کے ساتھ ہوگا اور اُن کے اپنے دور کے فرعون وہامان بھی اُن کے ساتھ ہوں گے۔ نیز وہ وکلاء جو جان بوجھ کر تاریخ پر تاریخ اور پیشی پر پیشی دلوا کر کسی کیس کو طول دیتے رہتے ہیں اور جو جج اس طوالت پر راضی ہوتے ہیں، اُن کا حشر بھی ہامان کے ساتھ ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ اُن ہی میں سے ہے"۔

(سنن أبي داود ج ٥ ص ١٤٤، حديث ٤٠٣١)

قوم سے غدار چننا تیسرا فرعونی حربہ

فرعون کا ایک اور کارگر اور ملک گیر حربہ یہ بھی تھا کہ وہ ہر قوم وطبقہ میں سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتا تھا جو اپنے علاقے کے لوگوں کی رائے کو اُس کے حق میں ہموار رکھتا تھا۔ اس مقصد میں حصولِ کامیابی کے لیے فرعون اُس شخص پر سرکاری خزانوں کے منہ کھول دیتا

تھا اور اُسے ہر طرح کی تجارتی سہولتوں اور دوسرے فوائد سے نوازتا رہتا۔ یوں تو ہر شہر، ہر قریہ اور ہر گاؤں میں فرعون کے ایسے مرہون، ممنون، قوم فروش، بے ضمیر اور زر خرید افراد موجود تھے مگر قرآن مجید نے بطورِ نمونہ فقط ایک شخص کے کردار کو پیش کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ، إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ.

"بیشک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا۔ پھر اُس نے سرکشی کی اُن پر، اور ہم نے دیے تھے اُسے اتنے خزانے کہ اُن کی چابیاں جھکا دیتی تھیں طاقتور جتھے کو، جب کہا اُسے اُس کی قوم نے زیادہ خوش نہ ہو، بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا اِترانے والوں کو"۔

(القصص: ۷۶)

یہاں قارون کا ذکر کسی شخصیت کے تعارف کے طور پر نہیں بلکہ ایک گھناؤنے کردار کے طور پر کیا گیا ہے تاکہ قرآن کو ماننے والی امت اُس کردار کی روشنی میں اپنے گردوپیش کے لوگوں کے کردار کو پہچان سکے۔ مفسرین کرام نے بھی ایسے تمام مقامات کو اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ پیر محمد کرم شاہ الازہری ﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ﴾ کے جملہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہاں ایک ضمیر فروش اور قوم فروش انسان کا کردار اور اُس کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ قارون بنی اسرائیل کا فرد تھا۔ مفسرین کی رائے میں یہ موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا، بعض نے

چچازاد اور بعض نے خالہ زاد بھائی لکھا ہے، لیکن اُسے اپنی قوم کی خستہ حالی اور اُن کے مصائب وآلام سے کوئی سروکار نہ تھا، وہ فرعونی حکومت کا ایجنٹ تھا اور اس کا کام صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو اس غلامانہ زندگی پر مطمئن رکھے اور انہیں یہ بات ذہن نشین کرادے کہ آزاد رہنے سے اُنہیں طرح طرح کے خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب وہ فرعون کے ظلِّ سلطانی میں بے فکر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں غلامی کی بیڑیاں اور گلے میں غلامی کے طوق باعث ننگ وعار نہیں بلکہ اُن کے لیے باعثِ صد عزت ہیں۔ اسی قوم فروشی کی وجہ سے فرعون نے اُس پر اپنے خزانے کے منہ کھول دیے تھے اور اُس کو اپنی سلطنت کا رکن بنالیا تھا، اسی لیے قرآن کریم نے یہ تصریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون وہامان کے علاوہ قارون کی طرف (بھی) بھیجا گیا تھا۔ ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ. إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ (اور بھیجا ہم نے موسیٰ [علیہ السلام] کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو اُنہوں نے کہا یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے۔) (المؤمن: ۲۳، ۲۴)

موسیٰ علیہ السلام پر ساحر و کذاب کا بہتان لگانے میں بنی اسرائیل کا یہ قوم فروش سیٹھ قارون بھی اپنے ولی نعمت فرعون کے ساتھ تھا، کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس کی ساری دولت وثروت اُسی وقت تک ہے جب تک فرعون شہر یارِ (بادشاہِ) مصر ہے''۔

(ضیاء القرآن ج۳ ص ۵۰۷)

تیسرے فرعونی حربے پر عمل

دورِ فرعونی سے لے کر اب تک زمانہ لاکھوں کروٹیں بدل چکا ہے، اوراب ہمارے دور میں بادشاہت نہیں بلکہ نام نہاد جمہوریت ہے اور سربراہِ مملکت کا چناؤ نام نہاد الیکشن کے ذریعے ہوتا ہے۔اس لیے عصرِ حاضر میں فرعونی حربوں کی عملی شکل یہ ہے کہ اب علم، عمل، قابلیت، صلاحیت، امانت اور دیانت کی بنیاد پر نہیں بلکہ فقط دھن، دھونس اور دھمکی کے بل بوتے پر ملکی اقتدار حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اُسی بل بوتے پر اُسے دوام بھی دیا جاتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ مال دار شریف بدمعاش لوگ (اِلا ماشاء اللہ) سیاسی پارٹی بنا کر ملک بھر سے ایسے لوگ تلاش کرتے ہیں جواُن کے لیے قارون کا سا کردار ادا کر سکیں، یعنی جو ذاتی مفاد کی خاطر قوم کے ساتھ غداری کرنے میں مہارتِ تامہ رکھتے ہوں۔ ایسے قارون صفت لوگوں کے ساتھ اُن کے فراعنہ بشرطِ کامیابی کچھ وعدے کرتے ہیں اور کامیابی کے بعد انتہائی ایمانداری کے ساتھ اُن وعدوں کو نبھاتے ہیں۔اگر وہ تجارت پیشہ ہوں تو اُنہیں تجارت میں اور اگر وہ زمین دار ہوں تو اُنہیں زراعت میں ایسی سہولتیں دی جاتی ہیں جن کی بدولت روز بروز اُس قارون کا مال بڑھتا چلا جاتا ہے۔

یہاں بطورِ نمونہ ایک ایسی مثال پیش کر رہا ہوں جس کو میں عین الیقین کی حد تک جانتا ہوں۔

ہمارے علاقے میں ایک صاحب الیکشن کے دنوں میں اپنے رشتے داروں اور علاقے کے دوسرے لوگوں کی رائے کو اپنے دنیوی آقاؤں کے حق میں سازگار بنانے میں دن رات ایک کر دیتے ہیں۔اس کا صلہ اُنہیں یوں ملتا رہتا ہے کہ اُن کی پراپرٹی اور اثاثے اُن کے حقیقی بھائیوں کے مقابلے میں (95) پچانوے فیصد زیادہ ہو گئے ہیں، جبکہ اُن کے

برادران میں اُن کے بعض حقیقی بھائی علم وصلاحیت میں اُن سے برتر ہیں۔ خود سوچئے کہ صلاحیت وقابلیت میں زیادہ ہونے کے باوجود مال ودولت اور رقبہ وپلاٹ وغیرہ میں اُن کے دوسرے بھائی اس حد تک کم کیوں؟ صرف اور صرف اس لیے کہ وہ کسی فرعون کے سایہ میں نہیں آئے۔

علاقہ کے قارون سے پبلک کا فائدہ؟

وقت کے فرعونوں سے علاقائی قارون جو مفادات حاصل کرتے رہتے ہیں کیا اُن مفادات کا کچھ حصہ علاقے کی پبلک کو بھی ملتا ہے؟ ہرگز نہیں، ماسوا اس کے کہ فرعون صفت لوگ خود ہی پہلے ضروریاتِ زندگی وغیرہ کے مسائل پیدا کردیتے ہیں، حتیٰ کہ غریب آدمی کے لیے چولہا جلانا مشکل ہوجاتا ہے، پھر اُن ہی مسائل کو حل کرنے کے وعدے پر ووٹ لیے جاتے ہیں اور کامیاب ہوجانے کے بعد مسائل کے حل کی طرف توجہ تک نہیں کی جاتی، الا یہ کہ جب آئندہ الیکشن قریب آتا ہے تو کچھ نہ کچھ کام کرا دیا جاتا ہے تاکہ آئندہ الیکشن کی راہ ہموار ہوجائے، گویا آئندہ اقتدار کا حصول سابقہ اقتدار ہی کی بدولت ہوتا ہے۔

یہ حربہ تو تھا شہری آبادی کے لیے جبکہ دیہاتی لوگوں کی رائے کو اپنے حق میں ہموار کرنا قارون صفت لوگوں کے لیے اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ دیہاتی بیچارے تو فقط اتنی سی بات پر خوش ہوکر اپنا ووٹ اُس شخص کو پیش کردیتے ہیں جو اُنہیں تھانے کچہری سے رہائی دلاتا رہا ہو۔ اس کے علاوہ دیہاتی لوگوں پر مزید کچھ خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اور لطف کی بات یہ ہے کہ ووٹ کی کثرت بھی اسی دیہاتی طبقہ کے پاس ہے، یعنی ''نہ ہنگ لگے نہ پھٹکڑی تے رنگ چوکھا''۔ اسی لیے ہر فرعون کے قارون انتہائی خلوص سے

کوشاں رہتے ہیں کہ قوم جرائم میں مبتلا رہے تاکہ نیچے اُن کا اور اوپر اُن کے فرعونوں کا دھندا چلتا رہے، گویا کرپٹ سیاستدان طبقہ عوام کو خود ہی تھانے کچہری کے چکروں میں ڈالتا ہے اور پھر خود ہی اُنہیں رہائی دلا کر اُنہیں مرہون وممنون رکھتا ہے۔

کرپٹ تھانے اور کرپٹ کچہریوں کے فوائد

بعض ذہنوں میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ راقم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ علاقائی قارون خود ہی لوگوں کو تھانے کچہری کے چکروں میں مبتلا رکھتے ہیں؟ میرے یہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی علاقہ کا قارون اپنے علاقے کے تھانے میں عدل وانصاف پسند افسر کو برداشت نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اگر تھانے کا بڑا افسر دیانت دار اور عدل پسند ہو تو تھانہ ویران ہو جاتا ہے اور جب تھانہ ویران ہو تو قارونوں کے ڈیرے بھی سنسان ہو جاتے ہیں۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے بطورِ نمونہ میرا ذاتی مشاہدہ ملاحظہ ہو۔

چند برس پہلے کی بات ہے کہ ہمارے علاقے میں ایک مرتبہ ایک ایسا افسر تعینات ہوا جس نے خود پر رشوت حرام کر رکھی تھی، اُس کے دور میں تھانے میں جو بھی مجرم لایا گیا اُس کا کیس یا تو وہیں نمٹا دیا گیا یا پھر دیانت داری کے ساتھ اُس کا کیس عدالت بھیج دیا گیا۔ غالباً اُس افسر کا نام علی اکبر گجر تھا، اُن کے دور میں تھوڑے ہی عرصہ بعد ہمارے علاقے سے شراب وعریانی کے اڈے ختم ہو گئے، چوری کا نام ونشان نہ رہا، حتیٰ کہ اُس افسر نے اعلان کر رکھا تھا کہ جمعہ اور دوسری نمازوں پر جانے والے دوکاندار دُکانیں بند کیے بغیر چلے جایا کریں، اگر اُن کی چوری ہو گئی تو علی اکبر ذمہ دار ہو گا۔

کئی مرتبہ بعض کرپٹ اور بااثر وڈیرے، ایم پی اے اور گدی نشین لوگ بعض ملزموں کی ہی نہیں بلکہ مجرموں کی سفارش کے لیے اُن کے پاس آ دھمکے مگر اُنہوں نے کسی کی

غلط سفارش نہ مانی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جرائم ختم ہو گئے اور تھانہ خالی ہو گیا، میں نے کئی بار دیکھا کہ تھانے کے صحن میں کوئی گاڑی تو کیا موٹر سائیکل بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اِدھر تھانہ ویران تھا تو اُدھر وڈیروں کے ڈیرے سنسان۔ چند سال تک یہ مبارک دور رہا، لوگ بڑے خوش تھے لیکن علاقائی قارون انتہائی پژمردہ اور مرجھائے ہوئے نظر آتے تھے، وہ سب سر جوڑ کر بیٹھے اور بالآخر اُنھوں نے اپنے فراعینِ بالا کو دہائی دی کہ اگر یہ نمازی اور رشوت وغیرہ پاک افسر کچھ عرصہ مزید یہاں رہ گیا تو لوگ عدل وانصاف کے عادی ہو کر ہمارے چنگل سے نکل جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس ایمان دار افسر کا تبادلہ ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

خلاصہ یہ ہے کہ فرعون صفت حکمرانوں کے لیے کرپٹ مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ انتہائی مفید اور کارآمد ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمارے دور میں اپنی قوم کا ہر غدار وڈیرا، انتظامیہ کا کرپٹ افسر اور عدلیہ کا کرپٹ جج وقت کے فرعون کے لیے قارون کی مانند ہیں۔ فَتَدَبَّرُ!

فرعون وقارون کے مابین محبت کارفرما تھی یا مفاد؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قارون جو موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار اور بنی اسرائیل ہی کا ایک فرد تھا، وہ اپنی قوم کا غدار اور فرعون کا وفادار کیوں تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اُسے فرعون کے ساتھ محبت نہیں تھی بلکہ اُسے اپنا مفاد محبوب تھا، لیکن اُس کا مفاد فرعونی مملکت کے استحکام کے ساتھ مربوط تھا۔ سو وہ اپنے مفاد ہی کی خاطر اپنی قوم کو فرعون کے حق میں مثبت رکھنے کی کوشش میں رہتا تھا اور یوں وہ اپنی ہی قوم کا استیصال کر کے غیر محسوس غداری کا مرتکب ہوتا تھا۔ چنانچہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ﴿فَبَغٰى عَلَيْهِمْ﴾ (قارون اپنی ہی قوم کا غدار تھا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ قارون اپنی قوم کے مفاد کو فرعون کے مفاد پر قربان کردیا کرتا تھا اور بنی اسرائیل کے حقوق کو کچلنے اور ان کو ذلیل ورسوا کرنے میں یہ اہم کردار انجام دیا کرتا تھا''۔

(ضیاء القرآن ج۳ ص ۵۰۷)

ڈاکو جس شخص پر حملہ کرتا ہے، دہشت گرد جس سے بھتہ وصول کرتا ہے یا راشی جس سے رشوت لیتا ہے تو اُسے اُس کے ساتھ قلبی عداوت نہیں ہوتی بلکہ اُس کے مدنظر اپنا مفاد ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی قوم کے مفادات پر سمجھوتا کرتا ہے تو اُس کے دل میں قوم کی عداوت نہیں ہوتی بلکہ اُسے اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ قارون نے جو بنی اسرائیل کی سوچ کو فرعون کے حق میں ہموار کر رکھا تھا اور اُنہیں غلامانہ زندگی گزارنے پر راضی کر رکھا تھا تو اس لیے نہیں کہ اُسے اپنی قوم سے قلبی عداوت اور فرعون سے قلبی محبت تھی بلکہ اُس کے مدنظر فقط اُس کا ذاتی مفاد تھا جو اُسے قومی غداری کے عوض حاصل ہوتا تھا۔ چنانچہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ﴿وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ایسے شخص کو فرعون یا اُس کی حکومت سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ اُسے تو محض اپنا ذاتی وقار اور مالی منفعت مطلوب تھی۔ استعماری طاقتوں کی طرح فرعون ایسے ضمیر فروش کے مزاج سے خوب واقف تھا اور اسے جی بھر کے رشوت دیتا تھا۔ اسے کاروباری مواقع اور سہولتیں میسر تھیں جس سے اس کا کاروبار خوب چمکا اور وہ مصر کا رئیسِ اعظم بن گیا۔ اس کی دولت کا ذکر قرآن حکیم نے جس انداز میں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حد وحساب دولت کا مالک تھا۔ اس کے خزانوں کے قفلوں (تالوں) کی کنجیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک مضبوط اور طاقتور

جتھہ جب ان کو اُٹھاتا تو اس کی کمر جھک جاتی''۔

(ضیاء القرآن ج۳ ص ۵۰۷،۵۰۸)

ہمارے دور کے فرعونوں نے اپنے قارونوں کو کس قدر کاروباری مواقع اور سہولتوں سے نواز رکھا ہے، اس سے ہر وہ شخص باخبر ہے جس کی روزمرّہ احوال پر نگاہ ہے۔ راقم الحروف ایسے مذہبی اور سیاسی بہت سے قارونوں کو نام بنام جانتا ہے مگر مجھے نام نہیں لینا، کیونکہ اِس تحریر میں میری توجہ اشخاص کی بجائے کردار پر ہے۔

عصرِ حاضر کے فرعون چند قدم آگے

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دور کا فرعون فقط قوم کے وڈیروں کو خریدتا تھا، مگر چونکہ ہمارے دور میں انتقالِ اقتدار نام نہاد الیکشن کے ذریعے ہوتا ہے، اس لیے اِس دور کے فرعون فقط قوم کے وڈیروں کو ہی نہیں بلکہ الیکشن کمیشن سے لے کر عدلیہ تک تمام اداروں کو خرید لیتے ہیں، اِلا ماشاءاللہ۔

کیا فرعون تاجر بھی تھا؟

فرعون بندوں کا تاجر اور خریدار تو تھا ہی لیکن کیا وہ دورِ اقتدار میں مالی تجارت بھی کرتا تھا؟ یہ معاملہ تحقیق طلب ہے، لیکن ہمارے دور کے فرعون خود بھی مالی تجارت کرتے ہیں اور اُن کے زیرِ سایہ اُن کے قارون بھی تجارت کرتے ہیں، اور پھر دونوں اپنی جمع پونجی سے آئندہ الیکشن کو خریدنے کے لیے میدان میں اُترتے ہیں۔

یہاں ایک اور غور طلب پہلو یہ بھی ہے کہ چونکہ دورِ حاضر میں نام نہاد الیکشن کے ذریعے اقتدار ملتا ہے، اس لیے ایک برسرِاقتدار کرپٹ پارٹی دوسری کرپٹ پارٹی کی محافظ بن جاتی ہے، اور اِس طرح برسرِاقتدار پارٹی حزبِ اقتدار پارٹی کے حق میں عملاً فرعون کا کردار

ادا کرتی ہے اور اپوزیشن پارٹی مقتدر پارٹی کے حق میں عملاً قارون کا سا کردار ادا کرتی ہے، لیکن پبلک کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے قولاً ایک دوسرے کے خلاف سرگرمِ اور شور مچاتی نظر آتی ہیں، اور یہ چالاکی فرعون وقارون کی چالاکی سے بھی زیادہ ہے۔

کیا حاکم کو تجارت کرنا جائز ہے؟

چونکہ تیسرے فرعونی حربے کی تفصیل میں تجارت کا ذکر بھی ہے، اس لیے یہاں ہم اس امر پر بھی روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آیا کسی حاکم کو اقتدار کے دوران تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ اس لیے ضروری ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے ملک کا نام فقط پاکستان نہیں بلکہ ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں کوئی بھی حکومتی عہدہ سنبھالنے کے بعد تجارت ممنوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اعلانِ نبوت کے بعد کوئی تجارت نہیں فرمائی، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے دورانِ حکومت کوئی تجارت کی اور نہ ہی اُنہوں نے اپنی حکومت کے کسی عہدے دار کو تجارت کرنے دی۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عُمّال کو تجارت سے منع کرتے تھے۔ محدثین کرام لکھتے ہیں:

كَتَبَ عُمَرُ إِلىٰ أَبِي مُوسىٰ الْأَشْعَرِي: لَا تَبِيْعَنَّ وَلَا تَبْتَاعَنَّ.

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: نہ تم خود تجارت کرنا اور نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی دوسرا تجارت کرے''۔

(المصنف لعبدالرزاق ج۸ص ۳۰۰، حدیث ۱۵۲۹۰؛ کنزالعمال ج۵ص ۷۶۶حدیث ۱٤۳۲۱؛الفقه الاقتصادي ص۱۰۸، ۱۰۹)

حاکم کی تجارت ملک کے لیے نقصان

مذکورہ بالا حدیث میں تصریح ہے کہ حاکم خود تو کیا اُس کے زیرِ سایہ رہ کر اُس کی

طرف سے کوئی دوسرا انسان بھی تجارت نہ کرے۔ ایک اور موقعہ پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ تِجَارَةَ الْأَمِيرِ فِي إِمَارَتِهِ خَسَارَةٌ.

''حاکم کا دورانِ حکومت تجارت کرنا خسارہ ہے''۔

(السنن الکبریٰ للبیهقي ج ۱۰ ص ۱۸۳ حدیث ۲۰۲۹۰، وط: ج ۲۰ ص ۳۱۱ حدیث ۲۰۳۱۵)

حاکم کی تجارت میں کس کا خسارہ ہے، کیا حاکم کا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ وہ تو سفید وسیاہ کا مالک ہوتا ہے اور قیمتوں کا اُتار چڑھاؤ بھی اُس کے اختیار میں ہوتا ہے، پھر وہ کیونکر خسارہ میں ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ حاکم اگر سوداگر بھی ہو تو ہمہ وقت وہ ضرب وجمع کے چکر میں رہے گا اور اس میں اُس کا نہیں بلکہ رعایا کا خسارہ ہوگا، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جب قیمتوں کا اُتار چڑھاؤ حاکم کے اختیار میں ہوتا ہے تو اگر وہ عین ٹائم کسی جنس کو مارکیٹ ویلیو سے کچھ مہنگے داموں خرید کر ملک بھر کی ساری کی ساری جنس اپنے پاس جمع کرلے تو کیا اِس صورت میں دوسرے تاجروں کا حق نہیں مارا جائے گا؟ پھر دوبارہ اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے اُسی جنس کی قیمت بڑھادے اور ملکی تاجر اپنا سرکل چلانے کے لیے مہنگے داموں وہ جنس خریدنے پر مجبور ہوں تو اِس صورت میں کس کا خسارہ ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ملک کے تاجروں اور عوام الناس دونوں کا خسارہ ہوگا۔ سوایسے بے لگام اور بے ہنگم تجارتی ماحول کے باعث عوام غریب سے غریب تر اور فرعون صفت حکمران اور اُن کے مراعات یافتہ قارون امیر سے امیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

کبھی آپ حکمران طبقے کی شوگر ملز، کاٹن فیکٹریز، اسٹیل ملز اور دوسرے کاروباری اداروں کا پبلک یا سرکاری اُس جیسے اداروں کے مابین تقابل کریں تو آپ پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی حقانیت روزِ روشن سے بھی زیادہ عیاں ہوجائے گی۔

گھاس تک کی تجارت پر معزول

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ پر گورنر مقرر کیا، وہ ایک سال تک وہاں مقیم رہے، اُن کے غلام نے وہاں گھاس وچارے کی تجارت کی تو اہل کوفہ کے ایک وفد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا: ہمیں ابوموسیٰ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُنہوں نے فرمایا: کیوں؟ لوگوں نے عرض کیا: اُن کا ایک غلام فصل کٹنے کے بعد دوبارہ جو گھاس اُگ آتی ہے اُس کی تجارت کرتا ہے، اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں کوفہ سے ہٹالیا''۔

(تاریخ الطبري ج٥ ص١٥٣؛ الفقه الاقتصادي ص١٠٩)

خیال رہے کہ اِس روایت میں غلام کے تجارت کرنے کا ذکر ہے مگر معزول اُن کے آقا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ سرکاری حاکم کا غلام تجارت کرے یا اُس کی اولاد، جواب دِہ حاکم ہی ہوتا ہے۔ فَتَأَمَّلْ!

ایسے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حارث بن وہب کو معزول کر دیا تھا اور فرمایا تھا:

وَاللّٰهِ مَا بَعَثْنَا كُمْ لِتَتَّجِرُوْا فِيْ أَمْوَالِ الْمُسْلِمِيْنَ، أَدِّهَا.

''خدا کی قسم! ہم تمہیں اس لیے نہیں بھیجتے کہ تم مسلمانوں کے مالوں میں تجارت کرتے رہو، اس مال کو تقسیم کردو''۔

(العقد الفرید ج١ ص٤٥)

منصب سونپنے سے قبل اثاثوں کی جانچ پڑتال

امام ابن سعد لکھتے ہیں:

كَانَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ إِذَا بَعَثَ عَامِلاً لَهُ عَلَى مَدِيْنَةٍ كَتَبَ مَالَهُ.

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شہر پر اپنا گورنر مقرر کرتے تو اُس کے اثاثے لکھ لیتے''۔

(الطبقات الكبرىٰ ج٣ص٢٦٣؛تاريخ الخلفاء للسيوطي ٢٥١؛محض الصواب ص ٥٢٠)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَنَّ عُمَرَ أَمَّرَ عُمَّالَهُ فَكَتَبُوْا أَمْوَالَهُمْ ، مِنْهُمْ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ.

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر مقرر کیے تو اُن کے مالوں کو لکھ لیا، اُن گورنروں میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے''۔

(الطبقات الكبرىٰ ج٣ص٢٩٦؛تاريخ الخلفاء للسيوطي ص٢٤٩،٢٥٠)

اَللّٰهُ أَكْبَر! سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا شمار اُن دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جنہیں ایک ہی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنتی قرار دیا تھا، یہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کو آقا نے فرمایا تھا: تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر دعا قبول فرمائے، اور ظاہر ہے کہ روزی حلال نہ ہو تو دعا قبول نہیں ہوتی، جبکہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ہر دعا قبول ہوتی تھی، یہاں تک کہ خود سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی اس معاملہ میں اُن سے خائف رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان جیسے جلیل

القدر صحابی کے مال کو بھی لکھنے سے گریز نہ کیا، اور قربان جاؤں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس عمل کو اپنی عظمت کے خلاف نہ سمجھا اور ہتکِ عزت قرار نہ دیا۔ لہٰذا خود انصاف فرمایئے کہ بعد کے لوگ کس باغ کی مولی ہیں کہ نہ اُن کے اثاثے لکھے جائیں اور نہ ہی اُن کا محاسبہ کیا جائے؟

منصب پر فائز شخص کا احتساب

ہمارے ہاں کسی حاکم پر مالی گھپلوں کا محض شک ظاہر کیا جائے تو وہ آگ بگولا ہو جاتا ہے اور چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ یہ جمہوریت اور ملکی ترقی کے خلاف سازش ہو رہی ہے، جبکہ شریعت میں فقط منصب پر فائز کرنے سے قبل ہی نہیں بلکہ اس کی درمیانی مدت میں بھی احتساب کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مشہور محدث امام عبد الرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں:

> ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کی حکومت سے معزول کیا تو اُنہیں کہا: او خدا اور اُس کی کتاب کے دشمن! تم نے اللہ کا مال چرایا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں خدا کا دشمن ہوں اور نہ ہی اُس کی کتاب کا، لیکن میں اُس کا دشمن ہوں جو ان دونوں کا دشمن ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تم نے یہ دس ہزار دینار کیسے جمع کر لیے؟ اُنہوں نے عرض کیا: میرے گھوڑوں کی نسل بڑھتی رہی، میرے عطیات شامل ہوتے رہے اور مجھے میرا حصہ بھی ملتا رہا۔ لوگوں نے حساب لگایا [Audit] کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات سچ ثابت ہوئی''۔

(المصنف لعبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۲۳؛ العقد الفرید ج ۱ ص ۴۴، ۴۵؛

البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۳۸۶، ۳۸۷)

نہ صرف یہ کہ شریعت میں حاکم اعلیٰ اپنے ماتحت ارکانِ حکومت کا احتساب کر سکتا ہے بلکہ خود حاکم اعلیٰ کا احتساب بھی کیا جا سکتا ہے اور اُس کے لیے کسی کمیٹی یا کمیشن قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ پبلک میں سے کبھی بھی اور کوئی بھی شخص حاکم سے سوال کر سکتا اور اُس کا مؤاخذہ کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہی واقعہ مشہور ہے۔ چنانچہ امام ابن الجوزی لکھتے ہیں:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چند حُلّے لائے گئے تو اُنہوں نے وہ تقسیم کر دیے، ہر شخص کو ایک ایک کپڑا ملا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو اُنہوں نے حلہ زیب تن کر رکھا تھا اور حُلّہ دو کپڑوں کا ہوتا ہے۔ پس اُنہوں نے فرمایا: لوگو! غور سے سنو، سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نہیں سنتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے ابوعبداللہ! کیا معاملہ ہے؟ اُنہوں نے کہا: آپ نے ہر ایک کو ایک ایک کپڑا دیا جبکہ آپ نے خود حلہ پہن رکھا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوعبداللہ! جلدی نہ فرمایئے! پھر آپ نے پکارا: عبداللہ! کسی نے کوئی جواب نہ دیا، پھر پکارا: اے عبداللہ بن عمر! تو سیدنا عبداللہ بن عمر نے عرض کیا: لبیک یا امیر المومنین۔ فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جو کپڑا میں نے پہن رکھا ہے، کیا یہ وہی کپڑا نہیں جو تم نے مجھے دیا تھا؟ اُنہوں نے عرض کیا: خدا کی قسم یہ وہی ہے۔ اس پر سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

أَمَّا الآنَ فَقُلْ! نَسْمَعُ.

''اب آپ ارشاد فرمایئے! ہم سراپا گوش ہیں''۔

(تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزي ١٤٧؛ عيون الأخبار لابن قتيبة ج١ ص ٥٥؛ محض الصواب ص ٥٧٩)

اس سے یہ دلیل نکلتی ہے کہ اگر کسی حاکم کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں تو جب تک وہ خود اپنی صفائی پیش نہ کردے وہ قابل اتباع یعنی اپنے منصب پر قائم رہنے کے قابل نہیں رہتا۔

اس سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ حاکم کا مواخذہ کرنے کے لیے کسی کمیشن یا کمیٹی قائم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ عوام میں سے کوئی بھی انسان اُس کا مواخذہ کرسکتا ہے، البتہ اب چونکہ عوام کے منتخب کردہ نمائندے پارلیمان میں جاتے ہیں اس لیے اُن کا فرض ہے کہ وہ حاکم کا مواخذہ کریں، مگر وہ بیچارے اس مواخذہ سے قاصر رہتے ہیں کیونکہ اُن کی اکثریت بھی اپنے حاکم کی اتباع میں کرپشن کرنے پر مجبور ہے، اس لیے کہ ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ'' (لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقے پر ہوتے ہیں) لہٰذا اب کسی حاکم کا کپڑے کے ٹکڑے پر تو کیا اربوں کھربوں ہڑپ کرجانے پر بھی مواخذہ ومحاسبہ نہیں کیا جاسکتا، اللہ اللہ خیر سلاّ۔

بہر حال درجِ بالا مثالی عدل وانصاف اسلام کی اُس اوّلین ریاست میں قائم تھا جو نظریاتی نقطۂ نگاہ سے وجود میں آئی تھی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان، ریاستِ مدینہ کے بعد روئے زمین پر پہلی ریاست ہے جو نظریاتی طور پر وجود میں آئی۔ سو خود انصاف فرمائیے کہ جب فاروقِ اعظم اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما ایسی ہستیوں کا احتساب ہوسکتا ہے تو پھر پاکستان کے کرپٹ حکمران اُن ہستیوں سے زیادہ معزز ہیں کہ اُن کا احتساب نہ کیا جاسکے؟

ارکانِ حکومت کے گھروں پر اچانک چھاپے

شکوک وشبہات پیدا ہونے پر اگر آج کے مدعیانِ اسلام حکمرانوں کے بارے میں فقط احتساب کا مطالبہ کیا جائے تو وہ آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور ایسے اقدام کو ملک و جمہوریت کے خلاف سازش قرار دے دیتے ہیں، جبکہ خلفاء راشدین ﷺ تو اپنے حکومتی اراکین کے گھروں پر اچانک چھاپے مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ چنانچہ امام ابن شبہ لکھتے ہیں:

"سیدنا عمر اور بلال ؓ ایک مرتبہ شام تشریف لے گئے تو (اراکین حکومت کے گھروں پر اچانک چھاپہ مارنے کے ارادے سے) سیدنا ابوعبیدہ بن جراح ؓ کے دروازہ پر پہنچ کر سیدنا بلال ؓ نے اجازت مانگتے ہوئے کہا: میں اندر آسکتا ہوں؟ اُنہوں نے کہا: تشریف لائیے! سیدنا بلال ؓ نے کہا: میرے ہمراہ میرے ساتھی بھی ہیں۔ اُنہوں نے کہا: آپ اور آپ کے ساتھی دونوں تشریف لائیں۔ سیدنا عمر اور بلال ؓ دونوں اندر گئے تو اُنہوں نے سیدنا ابوعبیدہ ؓ کو بانس کی ایک کرسی (موڑے) پر بیٹھے ہوئے دیکھا، اس کے علاوہ اُن کے گھر میں (اس سے بہتر) کوئی چیز نہیں تھی، سیدنا عمر ؓ پر اُن کی یہ خستہ حالت گراں گذری، اُنہوں نے اس معاملہ میں کچھ دیر گفتگو کی، پھر فرمایا: جو تکلیف تمہیں پہنچ چکی ہے وہ تمہاری نجات کے لیے کافی ہے۔ حضرت بلال ؓ کہتے ہیں: پھر ہم وہاں سے حضرت خالد بن ولید ؓ کے گھر کی طرف گئے تو میں نے اجازت مانگی کہ میں اور میرا ایک ساتھی اندر آسکتے

ہیں؟ اُنھوں نے کہا: آپ اور آپ کے ساتھی دونوں تشریف لائیے! ہم دونوں اندر گئے تو حضرت خالد اپنے تیر درست کرنے میں مشغول تھے، سیدنا عمرؓ کی نگاہ وہاں رکھے ہوئے ایک صندوق پر پڑی تو اُنھوں نے خیال کیا کہ شاید اس میں کوئی مال ہے۔ اُنھوں نے اُسے کھولا تو اُس میں لوہے کی چند زرہیں رکھی ہوئی تھیں، اس پر حضرت عمرؓ خاموش رہے۔ پھر ہم عمرو بن العاص کے دروازے پر پہنچے تو میں نے کہا: کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ اُنھوں نے کہا: تشریف لائیے! میں نے کہا: میرے ہمراہ میرا ساتھی بھی؟ اُنھوں نے کہا: نہیں، میں نے دوبارہ کہا: کیا میں اور میرا ساتھی اندر آسکتے ہیں؟ اُنھوں نے کہا: نہیں، اگرچہ تمہارے ساتھ عمر بن خطاب ہی کیوں نہ ہو، اس پر ہم اُن کے دروازہ سے ہی واپس چلے گئے''۔

(تاريخ المدينة المنورة لابن شبة ج٣ ص ٥٢، ٥٣؛ الفقه الاقتصادي ص ٥٩٠)

اس روایت میں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ ایسے عظیم صحابی کے گھر پر چھاپہ مارنے سے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی گئی، حالانکہ یہ عشرہ مبشرہ صحابہ میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ پوری امت میں امانت و دیانت کے وصف میں بھی ممتاز تھے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا، وَإِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ! أَبُوعُبَيْدَةُ بْنُ الْجَرَّاحِ.

''ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اور اے امت مسلمہ! ہمارا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے''۔

(بخاري ص ٥٠٩، حديث: ٣٧٤٤)

سو جب ایسی جلیل القدر ہستیوں کے گھروں پر چھاپہ مارنا جائز ہے تو پھر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کوئی چھوٹا یا بڑا لیڈر اور حاکم احتساب اور اچانک چھاپوں سے کیونکر مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟

عاملینِ حکومت سے مال واپس لینا

زیادہ نہیں لیکن شاذ و نادر ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ کسی شخص نے اپنے منصب وعہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جائیداد بنالی تو وہ اُس سے واپس لے لی گئی۔ جیسا کہ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں کہ بعض ارکانِ حکومت کو معزول بھی کیا گیا اور اُن کا جمع شدہ مال اہل اسلام میں تقسیم بھی کر دیا گیا، اور وہ بھی نری کرپشن نہیں تھی بلکہ تجارت سے کمایا ہوا مال تھا۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر اُن کے عامل اور چچازاد بھائی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی نے اطلاع پہنچائی کہ اُنھوں نے بیت المال سے دس ہزار دینار لیے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ یہ واپس کرو، تاہم اُنھوں نے واپس لکھ بھیجا کہ ایسی کوئی بات نہیں، آپ گمان کرنے والوں کی بات پر اعتماد نہ کریں۔

(الرقابة المالية ص ٤٢٧)

نیز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دور دراز علاقوں پر مقرر حکمرانوں کے لیے یہ حکم تھا کہ:

''حکومتی منصب پر فائز کوئی بھی شخص رات کے اندھیرے میں واپس نہ آئے بلکہ دن کے اُجالے میں آئے تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ اپنے ساتھ کیا کیا لایا ہے''۔

(تاریخ المدينة المنورة لابن شبة ج٦ ص ٥٤٤؛ صفة الصفوة ج١ ص ٢٩١)

چونکہ اُس مبارک دور میں حاکم کے استیصال اور چوری کو چھپانے والی کابینہ

نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی اُس وقت بیرون ملک بینک اور آف شور کمپنیاں تھیں۔ اس لیے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے دن کے اُجالے میں گھر لوٹنے کا حکم فرمایا تھا۔ بعض روایات میں یہاں تک منقول ہے کہ جب اُنہیں معلوم ہوتا کہ اُن کے بعض عمّال کی آج کل واپسی ہے تو وہ راستے میں ایسی جگہ پر بیٹھ جاتے جہاں وہ اپنے عامل کو دیکھ سکتے تھے لیکن عامل اُنہیں نہیں دیکھ سکتا تھا، اور پھر جائزہ لیتے کہ وہ کس ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ واپس آرہا ہے اور اپنے ساتھ کیا کیا لا رہا ہے؟

اصل فسادی کون، دہشت گرد یا کرپٹ طبقہ؟

عوام عموماً اُن لوگوں کو دہشت گرد، بدمعاش اور فسادی سمجھتے ہیں جو اسلحہ کے زور پر گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں لوٹ مار اور قتل وغارت کے مرتکب ہوتے ہیں، جبکہ قرآن کریم کے مطابق اصل فسادی لوگ وہ ہیں جو اقتدار کی بدولت ملکی وسائل پر قابض ہو کر لوگوں کا استیصال کرتے ہیں، اور چونکہ اُس استیصال کی نحوست آہستہ آہستہ معاشرہ پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے اور لوگ غربت وافلاس کی چکی میں پسنا شروع ہو جاتے ہیں تو "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مطابق وہ انتہائی اقدامات پر اتر آتے ہیں۔ چنانچہ قارون جو فرعون کا مراعات یافتہ بزنس مین، اُس کی کابینہ کا اہم رکن اور اشرافیہ میں قد آور آدمی تھا، اور ظاہر ہے کہ ایسی ٹھاٹھ باٹھ والے لوگ عملاً اسلحہ بردار اور گلی کوچوں میں دندنانے والے نہیں ہوتے، لیکن آپ کو تعجب ہوگا کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے اشرافیہ میں شامل، فرعونی حکومت کے اہم رکن، عظیم بزنس مین اور چوٹی کے سیٹھ شخص کو فسادی قرار دے دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ

الدُّنيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ.

''اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر، اور نہ فراموش کر اپنے حصے کو دنیا سے، اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے، اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں، یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو''۔

(القصص: ۷۷)

یہ کلیم اللہ علیہ السلام کا کلام ہے جس کو تائید الٰہی حاصل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا عظیم بزنس مین، پارلیمان کا رکن، ملوں اور فیکٹریوں کا مالک کیسے فسادی ہوسکتا ہے؟ ایسے لوگ تو انتہائی نرم اندام [Soft skin]، نازک مزاج، اعلیٰ کوٹھیوں کے ائیر کنڈیشنڈ رومز میں نرم وگداز بستروں پر آرام کرنے والے ہوتے ہیں اور اتنا شریف ہوتے ہیں کہ اپنی گاڑی کا دروازہ بھی اپنے ہاتھوں سے نہیں کھول سکتے تو پھر یہ فساد کیونکر پھیلا سکتے ہیں؟

جواباً عرض ہے کہ معاشرہ میں جو فساد پھیلتا ہے وہ اِن ہی لوگوں کی غلط پالیسیوں سے پھیلتا ہے، ان کی وضع کردہ پالیسیاں تمام تر ملکی وسائل کا رُخ اُن کی طرف اور مسائل کا رخ پبلک کی طرف کر دیتی ہیں۔ اگر اُن کا قلم اپنے کسی وفادار کے حق میں چلے تو اُسے عیش وعشرت کے آسماں پر پہنچا دیتا ہے اور جس کے خلاف چلے تو اُسے فٹ پاتھ پر پہنچا دیتا ہے۔

خود فیصلہ کیجئے! جب ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ ملک کا اکثر سرمایہ سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجائے اور ملک کی اکثریت نانِ جویں کو بھی ترسنے لگے، لوگ بھوک وافلاس کی وجہ سے خودکشیاں کرنے پر مجبور ہوں اور کچھ لوگ مجبور ہو کر چوری اور ڈاکہ زنی پر اتر آئیں تو فسادی یہ اسلحہ بردار ہوئے یا اشرافیہ کے پالیسی ساز شریف بدمعاش لوگ؟

یعنی اصل چور اور ڈاکو یہ بھوکے لوگ ہوئے یا وسائل پر قابض حکمران اور اُن کی کابینہ کے شرفاء؟ بار بار غور وفکر کر کے بتایئے!

قارئین کرام! یہ کلیم اللہ کا کلام اور کلام اللہ کی آیت ہے، کیوں اِس آیت میں اُس شخص کو فسادی کہا گیا جس کے ہاتھ اسلحہ شناس ہی نہیں تھے؟ کیا یہ کلام حقیقت کے منافی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ کلام حق پر مبنی ہے۔ چنانچہ پیر محمد کرم شاہ الازہری سورۃ القصص کے مقدمہ میں قارون کے تعارف کے ضمن میں فرعون صفت اہل ثروت لوگوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایسے ہی اہل ثروت کے شبستانوں کے سایوں میں انسانیت سسکتی رہتی ہے، ایسے ہی دولت مند شرفِ انسانی کی قبا کو تار تار کرتے ہیں، انہی کے عشرت کدوں میں گناہ اور رذالتوں کا تھوک بیوپار ہوتا ہے، یہیں غربت وافلاس کے پنجوں میں پھنسے ہوئے انسانوں کو ٹھوکریں ماری جاتی ہیں اور آخر کار یہی ٹھوکریں اُن راکھ کے ڈھیروں میں انتقام کی چنگاری کو سلگاتی ہیں جو دہک دہک کر جہنم زار بن جاتی ہیں۔ جب ضبط وتحمل کے بند ٹوٹ جاتے ہیں تو سرخ سیلاب بن کر ہر چیز کو زیروزبر کر دیتے ہیں۔ اہل ثروت کی سنگدلی، کنجوسی اور سرد مہری سے جو بربادیاں جنم لیتی ہیں، قارون کے رویہ پر ملامت کرتے ہوئے حضرت کلیم علیہ السلام نے ان کی طرف واضح اشارہ فرمادیا ﴿وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِي الۡأَرۡضِ﴾ یعنی اپنے اس طریقۂ کار سے تو ملک میں فساد برپا نہ کر۔ یہ الفاظ اہل ذکر (عقل مندوں) کے لیے اپنے دامن میں پند وموعظت کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہیں''۔

(ضیاء القرآن ج۳ ص ٤٧٤)

حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی تقریر اور اللہ تعالیٰ کی تائید سے معلوم ہوا کہ کراچی، کوئٹہ، اندرونِ سندھ، پنجاب، راجن پور اور کچا جمال وغیرہ مقامات میں اسلحہ بردار لوگ اصل فسادی نہیں بلکہ اصل فسادی قارون صفت لوگ اور اُنہیں مراعات دینے والے فرعون ہیں۔ چیف آف آرمی سٹاف جناب راحیل شریف حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے جو فرمایا تھا کہ کرپشن کا خاتمہ کیے بغیر دہشت گردی ختم نہیں ہو سکتی، بالکل حق ہے اور اس کی تائید کلام اللہ اور کلیم اللہ علیہ السلام کے درجِ بالا ارشادات سے ہو رہی ہے۔

فرعونی مظالم اور حربوں سے چھٹکارا کیسے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِن فرعونی مظالم اور حربوں سے نجات پانے کی کوئی سبیل بھی ہے یا نہیں؟ جی ہاں ضرور ہے، بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بگاڑ کا تذکرہ تو اپنی آخری کتاب میں کرے لیکن اصلاح کا طریقہ بیان نہ کرے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، چنانچہ پہلے اللہ تعالیٰ نے فرعونی مظالم کا ذکر کیا پھر اُن سے نجات کا تذکرہ کیا اور اُس میں فرمایا کہ فرعون اور اُن کی کابینہ کو ہم نے اُن ہی کمزور اور مظلوم لوگوں سے شکست دی جن سے وہ خائف رہتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنُرِيدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ. وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا يَحْذَرُوْنَ.

”اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں اُن لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک میں اور بنا دیں اُنہیں پیشوا، اور بنا دیں اُنہیں وارث، اور تسلط بخشیں اُنہیں سرزمین میں، اور ہم دِکھائیں فرعون اور ہامان اور اُن کی

فوجوں کو ان (مظلوموں) کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے"۔

(القصص: ۵،٦)

اِن آیات میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

ا۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ﴾ (ہم نے ارادہ فرمایا کہ ہم احسان کریں کمزوروں پر) لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ احسان اس طرح نہیں کیا کہ دشمن کو بیٹھے بٹھائے نیست و نابود کر دیا ہو بلکہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو قائد بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا، اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی اور اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کے لیے نکل پڑے، فرعونیوں کی بدبختی کہ وہ اُن کے تعاقب میں نکلے تو اُنہیں غرق کر دیا گیا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر بنی اسرائیل اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھے رہتے اور اپنے قائد کی پیروی میں گھروں سے باہر نہ نکلتے تو نصرتِ الٰہی قطعاً اُن کی مدد کو نہ آتی۔

سنتِ الٰہیہ ہے کہ ہر کام کو کرتا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن بندوں کے ذریعے کرتا ہے، مثلاً اُس کا ارشاد ہے کہ وہ خود ہی قرآن کا محافظ ہے لیکن اُس نے اِس حفاظت کا سبب بندوں کے سینوں کو بنایا۔ اِس دنیا میں ہر اُس کام میں بندوں کی سعی ضروری ہوتی ہے جو زمینی معاملات سے متعلق ہوں، ورنہ اللہ تعالیٰ تو قادر تھا کہ قریش مکہ کو اُن کے گھروں میں بیٹھے بٹھائے نیست و نابود کر دیتا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ پہلے اپنے محبوب ﷺ کی قیادت میں لوگوں کو میدانِ کارزار میں نکالا، اُنہیں برسرِ پیکار بنایا اور پھر نہتے لوگوں سے ہزاروں اسلحہ بردار لوگوں کو مروا دیا، لہٰذا ہر دور میں بندوں پر کسی صالح قائد کی قیادت میں سعی و حرکت لازم ہے، اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کسی فرعون سے نجات نہیں دیتا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ فرعون، ہامان، قارون اور اُن کے ہمنواؤں کو جن کمزوروں

سے خدشہ تھا اُن ہی کی ہمت وارادہ کی بدولت فرعون اور اُس کے ہمنوا لوگ کیفر کردار کو پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک کسی ملک کی پبلک اور غربت وافلاس کی چکی میں پسا ہوا طبقہ فرعونی مظالم کے خلاف کھڑا نہ ہوجائے اُس وقت تک فرعونی مظالم سے نجات ناممکن ہے، لہٰذا یہ امید کرنا بیکار ہے کہ اپر کلاس کے لوگ ظلم کے خلاف آواز اٹھا کر مظالم وغربت سے نجات دلا دیں گے۔ کیا ہامان وقارون صفت لوگوں سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ فرعون کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے؟

فرعونی حاکمیت کے معاونین

یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں جہاں جہاں فرعونی صفات کے حامل حکمران مسلط ہیں، نہ صرف یہ کہ وہاں کی اشرافیہ اُن فرعونوں کی ہمنوا ہوتی ہے بلکہ عدلیہ اور انتظامیہ بھی ہمنوا ہوتی ہے۔ لیکن چشمِ بددور! پاکستان کی عدلیہ، انتظامیہ، نیب، ایف آئی اے اور دوسرے ادارے اِس لعنت سے منزہ، مبراء اور پاک ہیں، اس لیے راقم الحروف اُن کے بارے میں لب کشائی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، توبہ بابا توبہ۔

لفظِ سیاست کا معنیٰ

جس طرح کوئی کرپٹ شخص کسی دوسرے کرپٹ شخص کا احتساب کرنے سے عاجز ہوتا ہے اسی طرح کرپٹ سیاستدان بھی کسی برسرِ اقتدار پارٹی کے احتساب سے عاجز ہوتی ہے، کیا پلیدی سے پلیدی کو پاک کیا جاسکتا ہے؟ لہٰذا کرپٹ اپوزیشن کے سیاستدان جتنا چاہیں بھڑکیں مارتے رہیں لیکن نہ اُن سے کچھ ہونا ہوتا ہے اور نہ ہی اُنہوں نے کچھ کرنا ہوتا ہے، بس گلہری کی طرح آنیاں جانیاں ہوتی رہتی ہیں، البتہ اپوزیشن کے بعض کرپٹ دھڑے اس امید پر حکومت کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں کہ آئندہ الیکشن کی تیاری کے

لیے وہ عوام الناس کی دہلیز پر جانے کے قابل ہوسکیں، لیکن پبلک کی فلاح و بہبود کسی کرپٹ شخص کے بس کی بات نہیں۔ دانائے راز علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یونہی تو نہیں فرمایا تھا۔

اُمید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خاکباز ہیں، رکھتے ہیں خاک سے پیوند!
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت ان کی کمند!
خوشا وہ قافلہ، جس کے امیر کی ہے متاع
تخیّلِ ملکوتی وجذبہ ہائے بلند!

(ضربِ کلیم ص۱۵۷)

خیال رہے کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام کرپٹ اور نا اہل سیاستدانوں کے متعلق ہے، کیونکہ علامہ صاف ستھری سیاست کے منکر نہیں، بلکہ صاف ستھری سیاست اور دین میں تفریق اُن کے نزدیک بے دینی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(بالِ جبریل ص۴۰)

دراصل لفظِ سیاست کو اصطلاحاً اس قدر بُرا معنی پہنا دیا گیا ہے کہ خیر کو شر بنا دیا گیا ہے۔ یہ عربی لفظ ہے اور اس کا معنیٰ ہے:

السِّيَاسَةُ: اَلْقِيَامُ عَلَى الشَّيْءِ بِمَا يُصْلِحُهُ.

"کسی شے کو سنوارنے کی خاطر اُس کی دیکھ بھال کرنا سیاست ہے"۔

(النهاية في غريب الحديث ۲۰۴۲)

کسی چیز کی دیکھ بھال، بگاڑ کے لیے نہیں بلکہ اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی معنیٰ میں یہ حدیث شریف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلُ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ .

''بنی اسرائیل کی سیاست (دیکھ بھال) انبیاء کرام علیہم السلام کرتے تھے، جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا تو اُس کی جگہ اور نبی آ جاتا اور چونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اس لیے یہ کام خلفاء کریں گے''۔

(بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ماذكر عن بني إسرائيل، ص٤٧٢، حديث ٣٤٥٥؛ مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الأمر بالوفاء ببيعة الخلفاء، الأول فالأول، ص٨٩٤، حديث ١٨٤٢)

ایک اور حدیث میں لفظِ سیاست مشقت و محنت کے معنیٰ میں مستعمل ہوا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كُنْتُ أَخْدِمُ الزُّبَيْرَ خِدْمَةَ الْبَيْتِ ، وَكَانَ لَهُ فَرَسٌ، وَكُنْتُ أَسُوْسُهُ ، فَلَمْ يَكُنْ فِي الْخِدْمَةِ شَيْءٌ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ سِيَاسَةِ الْفَرَسِ ، كُنْتُ أَحْتَشُّ لَهُ وَأَقُوْمُ عَلَيْهِ وَأَسُوْسُهُ.

''میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے گھر کی خدمت کرتی تھی، اُن کا ایک گھوڑا تھا، میں اُس کی سیاست (دیکھ بھال) کرتی تھی، مجھ پر گھوڑے کی سیاست سے زیادہ مشکل کوئی چیز نہیں تھی، میں اُس کے لیے گھاس لاتی، اُس کی حفاظت کرتی اور سیاست (خدمت) کرتی''۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب جواز إرداف المرأة الأجنبية، إذا أعيت في الطريق، ص ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، حدیث ۲۱۸۲)

پہلی حدیث میں انبیاء کرام علیہم السلام اور خلفاء عظام ﷺ کی سیاست کا ذکر ہے، اور اُن کی سیاست کیسی تھی؟ کسی ذی شعور پر مخفی نہیں۔ دوسری حدیث میں سخت ترین محنت ومشقت کر کے کسی مخلوق کو غذا فراہم کرنے اور اُس کی دیکھ بھال کرنے کو سیاست کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''حقیقی سیاست خود کو جان جوکھوں میں ڈال کر مخلوق کو سکھ پہنچاتا ہے''۔ خود بتلایئے! کیا پاکستان میں ایسی سیاست ہو رہی ہے؟ اگر نہیں اور واقعی نہیں تو پھر اِس ظلم وناانصافی کو کون ختم کرے گا؟ کیا کرپٹ اپوزیشن؟ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔

یاد رکھ لیجئے! عوام جب تک گھروں سے باہر نہیں نکلیں گے اُس وقت تک کرپٹ حکمرانوں سے نجات مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، کیونکہ یہ سنت الٰہی کے خلاف ہے۔ افسوس کہ عوام میں مڈل کلاس اپنی روٹی روزی سے فارغ نہیں، غرباء کو شعور نہیں اور جن کو کچھ شعور ہے وہ نجی ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر کرپشن اور مظالم کے خلاف دانت پیستے رہتے ہیں۔ اس طرح ہرگز نجات نہیں ملے گی، قوم کو اُٹھنا ہوگا اور اپنی حالت بدلنا ہوگی، کیونکہ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ.

''بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے''۔

(الرعد: ۱۱)

لہٰذا ضروری اور انتہائی ضروری ہے کہ قوم کسی امین اور عدل پسند شخص کی قیادت میں اُٹھ کھڑی ہو۔ جس لیڈر کا ماضی داغدار نہ ہو، جسے خریدنے کی کوشش کی گئی ہو اور وہ بکا نہ

ہو، جسے جھکانے کی کوشش کی گئی ہو اور وہ جھکا نہ ہو، اُس کی آواز پر لبیک کہیے، اور یہ مت دیکھئے کہ اُس کا مذہب اور عقیدہ کیا ہے، اُس کا لباس اور وضع قطع کیسی ہے، اُس کی ڈاڑھی ہے یا نہیں؟ بس وہ کلمہ گو مسلم اور خاتم النبیین ﷺ کا پیروکار ہو۔

یہ بات پلے باندھ لیجئے کہ مملکت کا صحیح نظام چلانے کے لیے کسی عابد کی نہیں بلکہ عادل کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہت لوگ پیشانیوں پر سجدوں کے نشان، ہاتھوں میں تسبیح، سر پر ٹوپی، اُجلا لباس اور عبادت گزار ہوتے ہیں لیکن مالی معاملات میں امانت اور دیانت کبھی اُن کے قریب سے بھی نہیں گذری ہوتی، لہٰذا اچھائی کا معیار عمرے پر عمرے کرنا، نماز پر نماز پڑھنا اور پیشانی پر سجدے کا نشان ہونا نہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کی حفاظت کرنا اور عدل وانصاف فراہم کرنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

لَا تَنْظُرُوْا إِلٰى صَلَاةِ أَحَدٍ وَلَا إِلٰى صِيَامِهٖ ، وَلٰكِنْ اُنْظُرُوْا إِلٰى مَنْ إِذَا حَدَّثَ صَدَقَ ، وَإِذَا أُؤْتُمِنَ أَدّٰى ، وَإِذَا أَشْفٰى وَرَعَ.

"کسی کی نماز اور روزے کی طرف مت دیکھا کرو، لیکن گفتگو میں اُس کی سچائی پر غور کیا کرو، جب اُسے امانت دی جائے تو اُس کی دیانت کو جانچا کرو اور جب اُس کے ہاتھ میں مال آئے تو اُس کی پرہیزگاری پر نظر رکھا کرو"۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقي ج٦ص ٤٧١، حديث ١٢٦٩٣؛ محض الصواب ص ٧١٥، ٧٣٠؛ كنز العمال ج٣ص ٦٧٧، حديث ٨٤٣٥؛ تاريخ عمر بن الخطاب لابن الجوزي ص ٢٠١)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

لَا يَغُرَّنَّكَ صَلَاةَ رَجُلٍ وَلَا صِيَامِهٖ ، مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ

صَلّٰی ، وَلٰكِنْ لَادِيْنَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ.

"تم کسی شخص کے نماز و روزے کی وجہ سے دھوکہ میں نہ آنا، جو شخص چاہے روزہ رکھ لیتا اور نماز پڑھ لیتا ہے، لیکن جو شخص امانت دار نہیں وہ دین دار نہیں"۔

(السنن الکبریٰ للبیهقي ج٦ ص ٤٧١، حدیث ١٢٦٩٤؛ تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزي ص ٢٠١)

اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے درجِ ذیل قول بھی مشہور ہے:

"حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کسی شخص کی تعریف کی تو اُنہوں نے پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ اُس نے کہا: نہیں، فرمایا: کیا تمہارا اُس کے ساتھ کوئی معاملہ ہوا؟ اُس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر تم وہ کہہ رہے ہو جسے تم جانتے نہیں"۔

(تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزي ص ٢٠٢؛ محض الصواب ص ٧٣١)

ایک اور مرتبہ قسم کھا کر فرمایا:

"جب تم نے اُس کے ساتھ سفر کیا اور نہ ہی اُس کے ساتھ گھل مل کر رہے تو اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تم اُس شخص کو نہیں پہچانتے"۔

(الصمت لابن أبی الدنیا ص ٥٥٢، ٥٥٣؛ محض الصواب ص ٧٣٠، ٧٣١)

مشہور پنجابی محاورہ: "را پیا جانے تے وا پیا جانے" اِن احادیث کا نچوڑ ہے۔ بہر حال اِن تمام فرمودات سے معلوم ہوا کہ فقط نماز، روزہ اور حج وغیرہ معیارِ اچھائی نہیں جب

تک کہ دنیوی معاملات میں امانت ودیانت اور عدل وانصاف شاملِ عمل نہ ہوں۔ جب چودہ سو سال قبل مدینہ مقدسہ اور حرمین شریفین کے کسی نمازی کی نماز اور روزے دار کا روزہ معیارِ اچھائی نہیں قرار دیا گیا تو پھر چودہ سو سال بعد پاکستان میں فقط کسی کی نماز، روزہ، حج، ڈاڑھی، جبہ، دستار، قراقولی ٹوپی اور نیلا پیلا رومال وغیرہ کیونکر معیارِ اچھائی قرار پا سکتے ہیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ فرعونی، ہامانی اور قارونی حربوں کے خلاف کسی امین وعادل لیڈر کی قیادت میں گھروں سے باہر نکلنا لازم ہے۔ کرپٹ حکمرانوں کے خلاف گھروں سے باہر نکلنا اور ملکی حالات کو بدلنے کی پرخلوص کوشش کرنا انسانوں کا کام ہے اور اُن کی سعی کو بارآور فرمانا قادر وقیوم جل جلالہ کا کام ہے۔ اگر لوگ باہر نہ نکلے تو موجودہ حالات کی روشنی میں اپوزیشن اور ملک کے کسی بھی ادارے میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ کرپٹ حکمرانوں سے نجات دلا سکے۔ قوم کو حالات کا رُخ خود بدلنا ہوگا، ورنہ ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(مولانا ظفر علی خاں)

وَمَا النَّصۡرُ إِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ.



شَرحُ خَصَائِصِ عَلِيٍ رضی اللہ عنہ (مطبوع، الطبعة الرابعة)

چند خصوصیات :

- مکمل عربی متن مع سند
- سابقہ عربی طبعات کی غلطیوں کی اصلاح
- ہر حدیث کی مکمل تخریج وتشریح
- سند کے لحاظ سے علماء اصولِ حدیث سے ہر حدیث پر حکم
- ہر حدیث پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کا متین جواب
- مصنف (امام نسائی رضی اللہ عنہ) کے قائم فرمودہ عنوانات کی روشنی میں خصوصیاتِ مرتضوی
- متن میں مذکور پنجتن پاک رضی اللہ عنہم کا تعارف اوران کے اہم فضائل وخصائص
- جدید وقدیم تمام ناصبی اعتراضات کا انتہائی علمی اور مہذب رد
- علماء ومشائخِ اہلِ سنت دامت برکاتہم کی گرانقدر تقریظات
- پانچ سو سے زائد مآخذ ومراجع (کتابیات) کی فہرست مع سنہ طباعت اور مطبع وغیرہ
- صفحات (1150) گیارہ سو پچاس
- مکمل بیروتی طرزِ طباعت وبائنڈنگ اور امپورٹڈ کاغذ۔

مناقب الزہراء (مطبوع)

شرح

إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

المعروف

مناقب الزہراء

تصنیف

امام زین الدین محمد بن عبد الرؤف المناوی

متوفی ۱۰۳۱ھ

ترجمہ، تخریج، تحقیق، تشریح

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم
جامعہ علی المرتضیٰ، لاہور

لطافتِ جسدِ مصطفیٰ ﷺ (مطبوع)

لطافتِ جسدِ مصطفیٰ ﷺ

نبی کریم ﷺ کے جسمِ اقدس کی نفاست و لطافت

اور فضلات شریفہ کی طہارت و برکت کے موضوع پر

اپنی مثال آپ کتاب۔

تصنیف:

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبۃ باب العلم

جامعۃ علی المرتضیٰ، لاہور



مکتبۃ باب العلم لاہور (پاکستان)

0300-4150021
0321-1788887
@ maktbababulilm110lhr@gmail.com
babulilm6692